سیدھی بات گنوادی

سائرہ رضا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سائرہ رضا
سیدھی بات گنوادی

"کہنے کو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ مگر میں اسے کامیابی کی سیڑھی کا پہلا قدم سمجھتا ہوں۔"

"جی ڈیڈی.....!"

"آخری اوور میں چھکے چوکے لگا کر جیتنے سے وقتی مزہ اور جوش تو ضرور پیدا ہوتا ہے مگر عقل منداور قابل بھروسا کھلاڑی وہ ہوتا ہے، جو پہلی گیند سے آخری گیند تک اسٹینڈ کرے اور جم کر کھیلتے ہوئے ہر گیند کو آخری سمجھے۔"

"جی ڈیڈی.....!"

"مجھے تم سے بہت امیدیں ہیں تم میری سب سے بڑی بیٹی ہو، تم جس راہ پر چلوگی۔ تم سے چھوٹے خود بخود اسی راستے کو اپناتے چلے جائیں گے۔"

"لیس ڈیڈی! میں سمجھتی ہوں۔"

اس کا جواب حسب معمول، حسب عادت حسب منشاء تھا، وہی جی کا کلمہ.....لیس ڈیڈ۔

یہ کوئی صبح یا شام کی واک نہیں تھی۔ ان باپ بیٹی کو جب دل کی باتیں کہنی سننی ہوتیں وہ ایسے ہی نکل آیا کرتے تھے اور اس میں بھی کہنے سننے والی بات غلط ہو گئی۔

صرف کہنا..... والد صاحب کو کہنے کا مراق تھا۔

اور صاحبزادی نہ صرف بہترین سامع تھیں بلکہ تابعداری کے سارے درجے اسکول کے مدارج سے پہلے ہی طے کر چکی تھیں اور بچے اماں ابا تاپا کہنے سے بولنا شروع کرتے ہیں۔ اس نے پہلے اثبات میں سرہلانا سیکھا پھر زبان کھلی تو وہی ایک لفظ۔

"جی ڈیڈی.....!" اف

☼ ☼ ☼

"کوئی آیا تھا سجل.....؟" وہ اپنے لیے چائے کا کپ بنانے کی خاطر کمرے سے نکلی تھی۔ درمیان میں کامن کم ڈرائنگ روم کم ٹی وی لاؤنج کم ڈائننگ روم پڑتا تھا۔ ساتھ میں اوپن کچن.....

سجل کارپٹ پر بیٹھی مصنوعی پھولوں کے گلدستے میں ڈھلے ہوئے پھول سیٹ کر کے لگا رہی تھی۔ سارا

مکمل ناول

دھیان اپنے کام پر تھا۔ اس کی آواز پر بری طرح چونکی تو اسٹیل کی تار انگلی میں کھب گئی۔

"اوئی!" اس نے انگلی منہ میں دبائی۔

"خوامخواہ... زیادہ تو نہیں لگی۔"

"نہیں بس ٹھیک ہوں۔ ہمارا تو وہ حال ہے۔ جو زخم دیا۔ پھولوں نے دیا کانٹوں سے شکایت کون کرے۔" اس نے گا کر سنایا۔

"اف...!" وہ ہنس پڑی "تم بھی ناں... بس۔"

بہت تیز تازہ گلابوں کی خوشبو... ایر فریشنر تو بالکل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر... اس نے صوفوں کو دیکھا' ہاں بے ترتیب کشن... بیک میٹ بھی نیچے گرا ہوا تھا اور ہاں ایش ٹرے میں پڑی سگریٹ کی راکھ۔

"کون آیا تھا سجل...؟" سجل پھولوں سے تبرد آزما تھی۔ نروٹھے پن سے نگاہ اٹھائی۔

"نہیں' کوئی نہیں..." سجل پھولوں میں الجھی ہوئی تھی۔

"ایسے کیسے نہیں... کمرے کی حالت بتا رہی ہے کہ کوئی آیا تھا اور یہ ایش ٹرے بھی۔"

"جب پتا لگ چکا ہے کہ کون آیا تھا تو پوچھنے کا مقصد؟"

"کون...؟ حسنین۔" وہ بے طرح چونکی۔

سجل بی بی نے اک بے نیاز نگاہ ڈالی اور پھر تیار شدہ بنچ کو گل دان میں سجانے کھڑی ہوگئی۔ تب ہی اس کی نگاہوں میں خوشبو کا منبع آگیا۔ کارپٹ پر رکھا بہت سرخ کھلے گلابوں کا گلدستہ تھا۔

وہ کسی معمول کی طرح نیچے جھک گئی۔ مشام جاں کو معطر کرتے پھول کہیں اندر روح تک کو شاد کر گئے۔

اس نے گل دستہ کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر لمبا سانس بھرا تو آنکھیں سرشاری کے عالم میں بند ہو گئیں۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

سجل اپنے کام سے فارغ ہوئی تو نگاہ اس پر ٹک گئی۔ وہ جیسے یہاں ہوتے ہوئے بھی کہیں اور پہنچ گئی تھی سجل نے کھنکھار کر متوجہ کیا۔

"آں...!" اس نے ہٹ سے آنکھیں کھولیں اور سجل کی معنی خیزی دیکھی' تب خود پر بے نیازی اور سختی کا ملمع چڑھا دیا۔

"کیا ہوا۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں... لایئے' اسے مجھے دے دیں... دیسی گلاب ہیں' اماں جی سے کہہ کر گل قند بنواؤں گی۔"

"گل قند!" اس کے سر پر پہاڑ ٹوٹا... دل پر مانو' گھونسا لگا۔ جیسے پیروں سے زمین سرکی جیسے...

"ہاں گل قند... میرے دادا کو... آپ کو تو پتا ہے قبض کی شکایت اکثر رہتی ہے۔ گل قند بہترین علاج ہے اور۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے سجل...!" وہ خود کو چیخنے سے باز نہ رکھ سکی۔ "کوئی بکے سے گل قند بناتا ہے۔"

"بکے سے نہیں... گلابوں سے..." سجل نے تصحیح کی۔

"پرے ہٹو... بڑی آئیں حکیم لقمان کی بھتیجی... فرزانہ دواخانہ... لاؤ وہ کرسٹل والا گل دان اس میں سجاؤ انہیں... پانی ڈالو اور ذرا سا نمک ملا لینا تاکہ تازہ رہیں۔" اسے تو سچ مچ فکر پڑ گئی۔ خود ہی آگے ہو کر سارے کام پلک جھپکتے میں کر لیے۔ سجل مزے سے دیکھتی رہی۔

"میں جا رہی ہوں اپنے کمرے میں... ایک کپ چائے دے جاؤ۔" وہ گل دان لیے اپنے کمرے میں جانے لگی۔

"اور بات سنو۔ تم نے بتایا نہیں حسنین آئے تھے ناں؟" اسے پھر دھیان آیا۔

سجل نے منہ پھلا رکھا تھا۔ سر کو اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا۔

"کب آئے تھے؟"

"آدھا گھنٹہ پہلے..." آواز سے ناراضی مترشح تھی۔

"چائے پوچھی؟"

سجل نے سر ہلایا "دو مرتبہ۔"

"اچھا!" وہ خاموش ہوئی "اماں جی کیا دوبارہ سو گئیں؟"

"وہ جاگی ہی کب تھیں؟" سجل نے الٹا سوال جڑ دیا۔

"کیا مطلب تو حسنین اتنی دیر کس کے ساتھ بیٹھے رہے؟"

"کسی کے بھی ساتھ نہیں... دو کپ چائے پی... موبائل پر فیس بک چلالی۔ پھر سگریٹ پھونکتے رہے۔ تنگ آکر چلے گئے۔ اماں جی کو اٹھانے سے منع کر دیا تھا۔"

"تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا... میں کوئی سوتو نہیں رہی تھی... اور بالفرض سو بھی رہی ہوتی تو تم جگا سکتی تھیں سجل...!" وہ بھونچکی رہ گئی تھی۔

"جگا دیتی؟ بتا دیتی۔" سجل کی تو آنکھیں ابل پڑیں۔ "بھول گئیں۔ پچھلی بار آپ نے کیا آرڈر کیا تھا۔

"یہی کہ نہ جگایا جائے نہ بتایا جائے اور نہ ہی سمجھایا جائے کہ..."

"ہاں...!" اسے سب یاد آگیا۔ چہرے پر سختی آگئی۔ ہاں اسی نے یہ سب کہا تھا۔ بس ذہن سے نکل گیا۔

"ہاں ٹھیک کیا بالکل صحیح۔" لہجہ کچھ کھو سا گیا۔ دھیان بالکل پلٹ گیا تھا اس نے ایک نظر بے ترتیب کشنز پر ڈالی۔ پھر ایش ٹرے پر...

دل بوجھل سا ہو گیا۔ اعصاب جواب دے گئے۔ اپنے قدموں پر کھڑا رہنا مشکل لگنے لگا۔ اس پر پھولوں کا بوجھ کیسے اٹھاتی۔ غیر محسوس انداز سے گل دان ٹیبل پر رکھ دیا۔ پھولوں کی خوشبو... سگریٹ اور مخصوص مردانہ کلون کی مہک اس جگہ سے ہٹ جانے ہی میں بہتری تھی، مبادا چہرہ نیوز اسٹال پر لہراتا اخبار بن جائے اور ہر کس و ناکس پڑھتا پھرے۔

"اوں ہوں..." وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔

✡ ✡ ✡
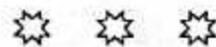
"خود ہی تو کہا تھا میں نے کون سی اپنی مرضی کی۔ حکم کی غلام ہوں جو کہا کر دیا۔" سجل پھٹ پڑی۔ شام سے جو وہ خاموش ہوئی تو رات کے کھانے، صبح کے

ناشتے سے بات دوپہر کے کھانے کو گول کرنے تک آ گئی۔

"آپ بتائیں کہا تھا کہ نہیں کہا تھا؟"

"میں کچھ کہہ رہی ہوں تمہیں۔"

"تو یہی تو رونا ہے' آپ کچھ کہتی کیوں نہیں... اور کھانا بھی نہیں کھایا۔"

"بھوک نہیں تھی۔"

"جھوٹ بولنے والے کا رنگ کالا ہو جاتا ہے۔"

"سچ کہہ رہی ہوں بابا..."

"دوسرا جھوٹ..."

"کیا چاہتی ہو تم...؟" اس نے ماؤس چھوڑ کر اسے توجہ سے نوازا۔

"اب یہ تو نہیں کہہ سکتی... تمہیں۔" وہ شرارت پر آمادہ ہوئی۔

"بکومت..." اسے ہنسی آ گئی۔

"اس میں بکواس کی کیا بات ہے۔ یہ تو حسنین بھائی جان کا جملہ ہونا چاہیے' ویسے انہوں نے کبھی کہا تو ہو گا۔"

"تم بہت بدتمیز ہو سجل! اور بے شرم بھی ہو گئی ہو۔"

"اس میں بدتمیزی اور بے شرمی کہاں سے آ گئی۔ ویسے انہوں نے کبھی نہیں کہا۔"

اس کے لہجے میں زمانے بھر کا اشتیاق سمٹ آیا۔ منہ بھی کھل سا گیا۔

"اٹھو... فوراً" اٹھو ادھر سے..." اس نے اخبار کا رول بنا کر اس کے شانے پر مارا۔ "جاؤ یہاں سے تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے بات بھی کی جائے۔"

"آپ تو مار کٹائی پر اتر آئی ہیں... چلی جاتی ہوں بابا۔" وہ گرتی پڑتی اٹھی۔

"ویسے سوال کا جواب نہ آئے تو سوری کہہ دیتے ہیں سارتے ہوئے تو کبھی نہ دیکھا۔ لیکن خیر... آپ نہ بھی بتائیں تب بھی... جتنا میں حسنین بھائی جان کو جانتی ہوں کہا تو انہوں نے ہو گا ہی... کہے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتے۔"

"سجل...!" وہ دھاڑی مگر سجل خطرے کی حدود سے کافی دور دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ بھاگ سکتی تھی۔

"ایک ایسا لڑکا جو کالج کے زمانے سے آپ کو پسند کرتا ہے۔ اور اب ایک سمجھ دار پکا مرد ہے بقول اماں جی' ذرا سی لفٹ نہ ملنے پر بھی ہر ہفتے۔ نک سک سے درست ہو کر پھولوں کا گلدستہ لیے حاضر ہوتا ہے شُشکارنے پر تو بلی بھی پل بھر کو ہی سہی دبک جاتی ہے۔ پر یہ میاں تو بلی سے بھی ڈھیٹ پنے میں جیتے ہوئے ہیں۔

مگر میری بیٹی کو ہی عقل نہیں... طلب گار جتنی بھی دور سے اور چاہت سے چل کر آئے' دستک دینے والے ہاتھ تھک بھی جایا کرتے ہیں۔ ناعاقبت اندیش لڑکی قدم پلٹ بھی جاتے ہیں۔ مگر یہاں سنتا کون ہے ارے صندلین تمہیں کہہ رہی ہوں بیٹا...؟"

"اف اللہ...!" اس کی آنکھیں پھٹ پڑیں' سجل کے لہجے میں رقت اور منت بالکل اماں جیسی تھی۔ جملے ہو بہو... آواز ہو بہو...

اسے آنا تو غصہ چاہیے تھا مگر ہنسی آ گئی۔

"میں اماں کو بتاؤں گی۔ تم ان کی نقلیں اتارتی ہو۔" اس نے بچوں کی سی لڑائی والا انداز اپنایا۔

"وہ تو خود مجھ سے فرمائشیں کر کے سب کی نقلیں سنتی ہیں۔ ہم دونوں اتنے مزے کرتے ہیں۔ آپ تو آفس میں ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ مزہ تو آتا ہی آپ کی نقل اتارنے میں ہے۔"

اسے دوبارہ ہنسی کا دورہ پڑ گیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے بالکل اچھی نہیں لگا صندلین... تم ایسی تو نہیں تھیں۔" امی کا غصہ... صندلین نے سجل کو گھورا جو کیا تھا اسی نے کیا تھا۔

"بس وہ اس دن... یونہی..."

"یونہی؟" امی نے خشمناک نظروں سے اسے دیکھا "آداب میزبانی بھی کسی چیز کا نام ہے کہ نہیں۔"

صندلین نے لمبا سانس بھرا۔ وہ آج ان سے کلیئر کٹ (دو ٹوک) بات کر ہی دے گی (ہزار بار کر بھی چکی تھی)

"بات یہ ہے امی! کہ جب میں اسے صاف انکار کر چکی ہوں تو وہ کس امید پر آجاتا ہے۔" اس کا لہجہ اور انداز عاجزانہ تھے۔

"انکار...!" امی کا لقمہ والا ہاتھ رک گیا۔ "کب کیا انکار...؟ کیوں کیا؟ کس سے پوچھ کر کیا صندلین؟" ان کی آواز پھٹ پڑی۔

"اوہ... شادی نہ کرنے کا اعلان تو وہ بانگ دہل کیا کرتی تھی۔ انکار والی بات اس طرح سے تو امی کو بتانے کی تھی نہیں۔ بس بے ارادہ ہی منہ سے نکل گئی۔

"حسنین کو انکار...؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے یا مجھے پاگل کرنے کا ارادہ ہے۔" امی نے لقمہ واپس رکھ کر پلیٹ دور کھسکا دی۔ "کس جنم کا بدلہ لے رہی ہو تم سب مجھ سے...؟"

"جنم...!" وہ چونکی "امی مسلمان کا ایک ہی جنم، ایک ہی مرن ہوتا ہے۔"

"ہاں تو بس پھر میں مرجاتی ہوں۔"

"اوہ امی... ایسے نہیں بولیں۔" وہ اچھل پڑی۔

"تو پھر کس طرح سے بولوں کہ تمہاری سمجھ میں آجائے صندلین...! خوش قسمتی بار بار دستک نہیں دیتی اور انتظار تو بالکل نہیں کرتی۔"

"میں آپ کو اس طرح اکیلا چھوڑ کر بیاہ نہیں رچا سکتی۔" اس نے وجوہات میں سے ایک بتا ڈالی۔

"عمر خضر لکھوا کر نہیں آئی میں... اگلی سانس کا بھروسا نہیں، کیا کرو گی میرے مرنے کے بعد... میری زندگی اور میری موت کو مشکل نہ بناؤ بیٹا... پہلے ہی بڑے خسارے ہیں ان کا حساب آج تک نہ ہوا۔ تم اپنے گھر کی ہو جاؤ گی تو میری موت پرسکون ہو گی۔ کیا سب نے قسم کھائی ہے کہ مجھ ہی کو ستائیں گے۔" ان کا لہجہ گلوگیر اور شکست خوردہ ہو گیا۔

"میں کب ستا رہی ہوں امی...!"

"تو پھر حسنین کو کیوں منع کیا؟"

"مجھے اس سے شادی نہیں کرنی۔" اس کا سادہ سا جملہ قطعیت سے بھرپور تھا۔

"تو پھر کس سے کرنی ہے؟" امی کا سوال بالکل ٹھیک تھا۔

"کس سے مطلب؟ کسی سے بھی نہیں... بتا تو رہی ہوں کہ آپ کو تنہا چھوڑ کر... کبھی نہیں۔"

"تو اس کا تو ایک ہی حل ہے، میں ہی کچھ پھانک کر سو رہوں۔ ساری مصیبت میں جو ہوئی۔" امی کی آواز بھرا گئی۔ "پھر تو تم شادی کر لو گی ناں؟"

"امی...!" صندلین نے دہل کر ماں کی صورت دیکھی "اب مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی!" وہ کھڑی ہو گئیں۔ اور تم سجل کھانا کھا لو تو میرے کمرے میں آنا۔"

سجل نے ایک جتاتی افسوس بھری نظر سے صندلین کو دیکھا اور کرسی سے اٹھ گئی۔

صندلین بھری ڈنر ٹیبل کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔

"کھانا تو کسی نے بھی نہ کھایا۔" اس نے پانی کا گلاس بھرتے ہوئے خود سے افسوس کیا۔

☆ ☆ ☆

"وہ جس روز آپ رشتے داروں کے گھر گئی تھیں۔ تب آئے تھے حسنین بھائی جان۔ باتیں کیا ہوئیں۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں مگر باجی صندلین خفا لگتی تھیں۔ حسنین بھائی مسکرا رہے تھے۔ وہ باجی کی باتوں پر سنجیدہ نہیں تھے پھر وہ بیٹھے ہی ہوئے تھے۔ تب باجی نے ان کے سامنے ہی مجھے بلا کر کہا کہ اگر دوبارہ حسنین صاحب آئیں تو نہ انہیں بتایا جائے نہ بلایا جائے... اور اگر میں نے یہ بات نہ مانی تو پھر میری خیر نہیں۔ اب آج جب وہ آئے تو میری سمجھ میں نہ آیا کیا کروں جھوٹ بول کر اپنی جان بچائی اور ان کا مان کہ گھر رہیں ہی نہیں... آپ دوا کھا کر لیٹی تھیں تو انہوں نے خود منع کر دیا۔ چائے پانی پی کر چلے گئے۔ بس اتنی سی بات ہے۔" اس نے سب کچھ من و عن بتا دیا۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے سجل... یہ بے وقوفی کی

حد ہے۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا۔“

”وہ باجی کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ پہلے تو ایسے نہیں کرتی تھیں۔ ساری دنیا کی باتیں کرتے تھے دونوں مگر اب....“ وہ خود بھی الجھن میں تھی۔

☆ ☆ ☆

ہاں صندلین احمد.... گھنٹوں اس سے باتیں کرتی تھی۔ اتنی باتیں، اتنے قصے کہ زندگی ایک نشست میں تمام ہو جائے۔ وقت قدر و قیمت کھو دے.... کوئی احساس ضیاع نہ ہو۔ لیکن اب جو وہ کہنے لگا تھا زبان سے.... وہی سب جو آنکھیں کہتی تھیں۔

”انتظار کی حد ہوتی ہے صندلین احمد....! کتنے آرام سے کہہ دیتی ہو میں راستہ بدل لوں.... راستہ قدم نہیں دل اور آنکھیں بدلتی ہیں۔ اور تم تو سالوں سے مجھے نظر بند کر چکی ہو۔“

”ہم یہ بات نہیں کریں گے حسنین....!“ وہ سٹپٹائی۔ اچھی خاصی ملکی صورت حال پر گفتگو ہو رہی تھی عدلیہ مقننہ، مہنگائی کرپشن اور صبر.... وہ اپنے صبر کی حد بتانے لگا۔

”میں صبر کرنے کو تیار ہوں مگر یہ گارنٹی دو، پھل میٹھا ملے گا۔“

”میں کوئی فروٹ کی ریڑھی لگاتی ہوں۔“ اس نے بات اڑانی چاہی، حسنین کی آنکھوں میں شکوہ آن ٹھہرا۔

”میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔“ وہ کیا کچھ ٹھان چکا تھا۔

”تم سنجیدہ اچھے نہیں لگتے.... اس نے آڑ بنا کر نکل جانا چاہا۔

”یہی تو کب سے جاننا چاہ رہا ہوں۔ کیسے اچھا لگوں گا.... ویسے ہو جاتا ہوں۔“ وہ اس کی سمت خمیدہ ہوا اور گہری نگاہوں سے سوال رکھ دیا۔

”رہنے دو۔“ وہ ہنسی قصداً ”اب کیا بنو گے جو بننا بگڑنا تھا، ہو گیا۔ تم ناقابل تصحیح ہو چکے ہو.... مسٹر حسنین!“

”نہیں.... تم کہہ کر تو دیکھو.... آزمائش شرط ہے۔“

”ضرورت نہیں....“ وہ متبسم لہجے میں بولی اور یونہی کشنز درست کرنے شروع کر دیے۔

گمبھیر لہجہ اور گہری نظروں کا سامنا پہلو بدلنے پر مجبور کرنے لگا تھا۔ وہ ایسے اتنی شدت سے پہلے تو کبھی سوال نہیں بناتا تھا۔ کچھ مجبور، کچھ جارح۔ کچھ قطعی.... کچھ مشکل....

یہ اچانک حملہ.... آخری معرکہ.... حسنین کی آنکھوں سے عیاں تھا۔ اور ہار نہ ماننے کی قسم.... اور عزم جو اسے پسپائی پر مجبور کر سکتا تھا۔ پر وہ اتنی کمزور تو نہیں....

”میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔“ وہ ذرا سا موقع چاہتی تھی۔ اپنی حیرت پر قابو پا لیتی اپنے جملے ترتیب دے لیتی، خود کو اس قابل بنا لیتی کہ ڈٹ کر انکار کرے۔ انکار پر ڈٹ سکے مگر.... آج حیران کر دینے کی قسم کھا کر آیا تھا وہ....

اس کا آنچل اس کی مضبوط گرفت میں جا چکا تھا۔ وہ کھڑی ہوئی حیرت سے اپنے آنچل کو دیکھ رہی تھی پھر اس کی اٹھی نگاہوں پر نظر ٹھہر گئی۔ مگر یہ قیام طویل نہ ہو سکا۔

محبت برساتی، اکساتی، بہلاتی پھسلاتی جذبوں سے بھری قطعیت سے بھرپور وہ آنکھیں۔

”مجھے چائے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے جواب چاہیے۔“

”وہ تو پھر میں دے چکی۔“

”مجھے انکار نہیں سننا۔“

”اقرار میں کروں گی نہیں۔“

”مجھے پسند نہیں کرتیں....؟“

اس کی نظریں بے ساختہ اٹھیں اور پلکیں لرز کر رہ گئیں۔

”جھوٹ بولنا بری بات ہوتی ہے صندلین۔“

”میرا دوپٹہ چھوڑ دو۔“

”تم جواب دو۔ گرفت خود بخود ڈھیلی پڑ جائے گی۔“

مجھ سے نفرت کرتی ہو؟"

وہ منہ سے کچھ نہ بولی۔ سر جھک گیا۔ اس کی ہتھیلی سے پسینہ بھی پھوٹا تھا۔ اتنا بڑا جھوٹ وہ بھی نہیں بول سکتی تھی۔

اور وہ اس کے چہرے کی تحریر کا ہر حرف پڑھ رہا تھا۔ وہ کشمکش نجانے کیسی مجبوری.... وہ متامل تھی مگر کیوں کس لیے....

"دیکھو صندلی....!" وہ نرمی سے گویا۔ "میں جانتا ہوں انکار کی وجہ وہ بھی نہیں ہے جو تم کہتی ہو۔ مائیں بیٹیوں کی شادی کر کے تنہا ہوتی ہی ہیں۔ یہ کار دنیا ہے۔ مائیں اولاد کی زندگی کو آگے بڑھایا کرتی ہیں۔ سو اس بات کو رہنے دیتے ہیں۔ تم اصل وجہ دو۔ تم اپنی ماں سے محبت کرتی ہو۔ تو میں بھی اپنی ماں سے محبت کرتا ہوں اور انہیں ٹال ٹال کر اب تنگ آگیا ہوں اور انہوں نے تو اب کہنا بھی چھوڑ دیا ہے اور یہ زیادہ ظلم کیا کہ ان کی خاموشی مجھے ان کے سامنے شرم سار کرنے لگی ہے۔

ہر بار دل کو مضبوط کرتا ہوں کہ ٹھیک ہے تم کو بھول جاتا ہوں مگر میرا دل مجھ پر ہنستا ہے۔ جانتا ہے ناں، یہ صرف لفاظی ہے۔ میں تمہیں بھول نہیں سکتا۔ تم فراموش کرنے والی چیز ہو ہی نہیں۔ اور تمہاری امی.... تم ان کی اکیلی اولاد تو نہیں ہو۔"

سر جھکا کر سنتی صندلین کا سر بے ساختہ اٹھا۔ وہ جتا نہیں رہا تھا ابھی اسے اور بہت کچھ کہنا تھا۔

"اور چلو.... تم نے خود سے عہد کر لیا ہے کہ تم ان کا سہارا بنو گی، انہیں تنہا نہیں چھوڑو گی تو یار! تمہیں ایسا کرنے کو کہہ کون رہا ہے۔ ہم انہیں اپنے ساتھ رکھیں گے۔"

صندلین نے کسمسا کر اسے دیکھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ ساتھ نہیں رکھیں گے میں اپنا بوریا بستر اٹھا کر ادھر آجاؤں گا۔ یہیں کہیں پڑ جاؤں گا۔ گھر داماد بننے کو بھی تیار ہوں، دنیا چاہے کوئی بھی نام دے لے۔ سب سہ لوں گا۔" حسنین نے فوراً "دوسرا آپشن دیا۔

صندلین نے پلو چھڑانے کی کوشش کی۔ اس کی گرفت مزید کس گئی۔

"اور میری ماں نے بھی کچھ نہیں کہنا.... یقین کرو، وہ تو الٹا خوش ہوں گی، مجھے میری من پسند شریک حیات مل جانے کی خوشی.... میرا گھر بس جانے کی خوشی۔"

اتنے بہترین آپشنز کے باوجود انکار عیاں تھا بس بے دھڑک بولنے میں جھجک مانع تھی۔

"بولو صندلی.... میں منتظر ہوں۔" وہ بغور سننے کی چاہ میں نشست پر آگے کو سرکا تھا۔

اس نے حلق تر کیا۔ آنچل چھڑانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس کے جواب سے حسنین مراد کی گرفت خود بخود ڈھیلی پڑ جانی تھی۔

"میں پھر بھی ہاں نہیں کر سکتی.... آئی ایم سوری۔" اس نے معذرت دل سے کی تھی وہ واقعی شرمندہ تھی۔ اس سے بھی اور خود سے بھی....

وہ کھڑی ہو گئی۔ پائے ثبات میں لغزش نہ آجائے۔ اس کی خاموشی.... اوہ۔

صندلین کو لگا وہ نمک ہو گئی ہے۔ گھل جائے گی۔ موم بن گئی ہے۔ پگھل نہ جائے۔

اس کا آنچل یوں واپس آیا جیسے مکھن سے بال نکلتا ہے۔ اگلے پل وہ کمرے سے باہر نکل جانے والی تھی۔ مگر یہ کیا ہوا.... اتنی زور کا جھٹکا.... حسنین نے اسے روکا تھا اور وہ پوری کی پوری کھنچتی صوفے پر گر جانے کے انداز میں بیٹھی تھی۔ اس کے حواس مختل ہو گئے۔

"میں بچہ نہیں ہوں صندلی۔ تمہیں صحیح وجہ بتانی ہو گی ورنہ میں یہاں سے جانے والا نہیں۔"

"مجھے کوئی وجہ نہیں دینی۔"

"اور میں ٹلنے والا نہیں.... مان لو میں نے قسم کھالی ہے۔"

"تم مجھے دہشت زدہ نہیں کر سکتے۔" اس نے کڑک انداز اپنایا (دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا) اور وہ جو تم نے مجھے کیا ہے وہ.... اسے کیا نام دو گی یہ تو وہی بات ہوئی جیسے کوئی اندھے فقیر کے عمر بھر کے سکوں کو کھوٹا کہہ

دے۔" اس کا لہجہ مدھم اور شکست خوردہ ہو گیا۔
صندلین نے اپنی ہمت مجتمع کی۔ وہ ہنوز جھکا کھڑا تھا وہ جیسے موقع پا کر سائیڈ سے نکلی۔
"میرا جواب انکار ہے اور جواز کے لیے تم زبردستی نہیں کر سکتے۔" ذرا دور کھڑے ہو کر خود کو محفوظ جان کر اس نے بڑی بہادری دکھائی۔
"کس نے کہا میں زبردستی نہیں کر سکتا جتنی محبت تم سے کی ہے ناں صندلی ..... میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتا بھی لے جا سکتا ہوں۔ میری محبت اتنا حق تو رکھتی ہے ناں۔ یہ تو مانو گی۔"
"مجھے کچھ نہیں سننا، مجھے کچھ نہیں جاننا۔" اس نے منہ پھیر لیا۔
"اتنی سنگ دل مت بنو میں خود پر کنٹرول کھو دوں گا۔" اس نے شانے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دینا چاہا۔ تب ہی نگاہ ہکا بکا کھڑی سجل پر جا رکی۔ وہ حیران پریشان ساکت کھڑی تھی۔ صندلین نے ٹھنڈا سانس بھرا۔
اس کی نگاہوں کے تعاقب کرنے پر حسنین کو بھی خود پر پانی پڑنے کا احساس ہوا۔
نجانے وہ کب آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے کیا سنا ..... کیا دیکھا ..... کیا سمجھا۔ صندلین کو شدید غصہ آیا۔
حسنین کی آج کی باتیں اور حرکتیں حیرت تھیں مگر اب حیرت پر طیش کا غلبہ ہونے لگا۔ اور طیش ہوش کا دشمن ہوتا ہے۔
"سنو سجل ..... ! آج کے بعد یہ آئیں تو تم دروازہ مت کھولنا۔"
"جی ..... !" سجل کے لبوں پر سرسراہٹ سی ہوئی۔
"صندلی ؟" حسنین نے چونک کر سر اٹھایا۔
"اور پھر بھی یہ اندر آ جائیں ..... تو مجھے بتانے بلانے کی ضرورت نہیں۔"
"کیا؟" سجل کا چہرہ بولنے لگا۔
"صندلی ..... !" حسنین کے لہجے میں منت بھری تادیب تھی۔
اور آپ ..... !" وہ حسنین کی طرف متوجہ ہوئی (محبت بڑھ جائے تو تکلفات ختم ہو جاتے ہیں۔ آپ سے تو' ہو جاتے ہیں۔)
"آپ دوبارہ زحمت مت کیجیے گا۔ ورنہ پھر شکایت ہو گی۔" "جتنی آپ نے آج کر دی وہ کافی ہے۔"
اس نے ارادتاً "اپنا" پلو سنبھالا اور حسنین خان کا دل ٹوٹا ضرور تھا مگر خود پر غصہ آیا "ہاں آج کچھ زیادہ کر دی اور شاید غلط بھی ..... مگر کیا کرتا وہ کسی بھی طرح ہاتھ نہ آتی تھی۔
وہ جھٹکے سے پلٹا اور کمرے سے نکلنے ..... ہی والا تھا۔
جب اس کی آواز پر اٹھا قدم ہوا میں معلق ہو گیا۔
"یہ پھول بھی اٹھا کر انہیں دے دو سجل ..... !" وہ بے ساختہ گھوم گیا۔
سجل پنڈولم ہو گئی۔
ایک کی آنکھوں میں شکوے تھے۔ دوسرے نے بے حسی کی حد پار کر لی۔
"ایسے کیا منہ اٹھا کر دیکھ رہی ہو، میں نے فارسی تو نہیں بولی جو سمجھ میں نہ آئی ہو۔ اٹھاؤ یہ پھول .....
اس کی دھاڑ پر سجل نے لپک کر خوشبو سے بوجھل گلدستہ اٹھا لیا۔ مگر لوٹانے میں وہ بھی متامل تھی۔ بھلا خوشبو بھی واپس کر دینے کی چیز ہوتی ہے۔ نجانے کیا ہو گیا تھا آج ان دونوں کے بیچ ..... اوہ حسنین نے صندلین کو دیکھا۔ پتھر بے حس، ظالم۔
ہونق مگر دل گرفتہ سی سجل ..... اور اپنی قسمت پر دھاڑیں مار مار کے رونے کے خواہش مند ڈھیروں پھولوں کو ..... وہ سرعت سے کمرے سے نکل گیا۔ دوبارہ کبھی نہ آنے کے لیے ..... سجل کے دل پر گھونسا لگا۔ اس نے عزم و ہمت کا شاہکار بنی صندلین کو دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ سب گدھے ہیں ٹی کے۔" طویل گفتگو کے بعد بالآخر ڈیڈی نے آخری جملہ فیصلہ کن انداز سے کہا۔
"جی ڈیڈی ..... !" اس نے سر ہلایا آج دونوں واک

نہیں گئے تھے۔ یہیں برآمدے میں چائے پی گئی تھی۔

"یہ کیا سمجھتے ہیں' میں ان کے اندر باہر سے واقف نہیں... غلط فہمی ہے نری... آج میری کامیابیاں اور میری بیٹی کی کامیابیاں انہیں پلٹنے پر مجبور کر رہی ہیں مگر مجھے ان کی سب چالوں کی خبر ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں ڈیڈی!" اس نے اشارے ہی سے مزید چائے بنانے کا پوچھا اور اشارے ہی سے اثبات کا جواب ملا۔ نازک چینی کے کپ میں چمچ گھومنے سے جلترنگ سا بجنے لگا۔

"اور یہ میرے رشتے دار تو صرف گدھ ہیں۔" ڈیڈی نے چائے کا سپ بھرا "تمہاری ماں کے رشتے دار مہاگدھ تھے... بلکہ ان سے آگے بھی کوئی لفظ موزوں ہو تو وہ رکھ سکتی ہو۔"

ٹی کے نے تابعداری سے سرہلایا... ہاں وہ رکھ دے گی کوئی نام... فی الوقت تو سارا دھیان ڈیڈی کے فرمودات پر ٹکا تھا۔

آج بڑی... اور چھوٹی دونوں پھپھیاں ملاقات کو آئی تھیں' وجہ ٹی کے ہی کی کامیابی۔ اس نے ایف ایس سی میں ٹاپ کیا تھا۔ ساتھ ہی تقریری مقابلے ہیں سارے صوبے کے مقررین کو بچھاڑ کر اول انعام کی حق دار ٹھہری تھی۔

کسی مشہور کالم نگار نے جو کہ منصف کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اس کی تقریر اوصاف کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔

"سیاست دانوں کو جو آئے دن روسٹرم کے پیچھے چنگھاڑتے ہیں انہیں اس بچی سے آداب سیکھنے چاہئیں' کہاں بولنا ہے کہاں ٹھہر جانا ہے۔ کون سا جملہ بلند آہنگ ہونا چاہیے اور کون سا اتنا دھیما کہ محض سوالیہ نشان بن کر سامعین کو دونوں بے قرار رکھے۔"

پھر تقریر اس نے لکھی بھی خود تھی۔ الفاظ کا چناؤ۔ موضوع کی گہرائی۔ بہت اعلا... پی ٹی وی کی شام پانچ بجے کی خبروں میں بھی تذکرہ تھا۔ رات نو بجے کے خبرنامے میں بھی وہ سارے خاندان... محلے گلی کوچے والوں کو دکھائی دے گئی۔ ایک ساتھ دو کامیابیاں... ابھی تو پوزیشن لینے والی خبر کی گرمی نہ کم ہوئی تھی کہ... اب آگے وہ کیا کیا نہ کرے گی۔

اس کا تو راستہ ہی الگ ہو گیا تھا۔

کوشش کرنے والے ہاتھ بڑھا کر تارے توڑ سکتے ہیں پر محنت و لگن اور ایمان داری سے کام کرنے والوں کے لیے آسمان خود جھک آتا ہے تارے پٹاپٹ جھولی میں گرنے لگتے ہیں۔

وہ فطرتاً ایسی تھی یا پھر ڈیڈی کی محنت و توجہ نے اسے ایسا بنا دیا تھا کہ وہ خود تارہ بن کر جگمگانے لگی۔ اور اب ان جہانوں پر نگاہ تھی جو ستاروں سے کہیں آگے جا کر ملتے تھے۔

"ہیں تو یہ سب میرے بہن بھائی ٹی کے... مگر یہی وہ لوگ ہیں۔ جنہوں نے میرے ہاں مسلسل بیٹیوں کی پیدائش پر مجھے تضحیک آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ یہ وہ لوگ ہیں ٹی کے جو اپنے بیٹوں کو لاڈ تک مجھے دکھا کر کرتے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں۔" ڈیڈی کے منہ سے جھاگ سا نکلنے لگا جوش خطابت سے۔

"اوہ...!" اس نے اپنا کپ میز پر رکھ کے اپنا ہاتھ ان کے گھٹنے پر رکھ کر جیسے باز رکھنے کی کوشش کی۔ "آپ وہ سب بھول کیوں نہیں جاتے ڈیڈی...!" اس کی آواز متاسف تھی۔ "تکلیف دہ باتوں کو بھلا دینا چاہیے۔"

"بالکل نہیں..." ڈیڈی اچھل پڑے۔ "تکلیف پہنچانے والی باتوں کو ہمیشہ یاد کرنا چاہیے۔ اور آج تمہیں ایک خاص بات بتاتا ہوں پلو سے گرہ لگا لو۔"

وہ اس کی سمت جھکے "دشمنی اچھی چیز نہیں... مگر میں سمجھتا ہوں کہ سامنے کوئی مدمقابل ہونا چاہیے۔ زندگی میں مقابلے کی فضا برقرار رہنی چاہیے۔ جیت کا مزہ بھی تب ہی ہے۔ جب مقابل ٹکر کا ہو۔"

"آپ کی چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے۔" وہ مسکرائی۔

"تم سمجھ رہی ہو ناں...؟" ڈیڈی کی آنکھوں میں جوش بھرا تھا۔

"یس ڈیڈی... میں آپ کی باتیں نہ صرف سمجھتی

ہوں بلکہ انہیں یاد بھی رکھتی ہوں۔"

"ویری گڈ... ڈیڈی سرشار ہو گئے۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ تم میرا اثاثہ ہوٹی کے...."

اورٹی کے کا چہرہ جگمگانے لگا۔ ڈیڈی کی محبت توجہ سب اس کے لیے تھی۔ وہ بڑی بیٹی تھی اور ماں سے زیادہ باپ کے قریب تھی۔ وہ شادی کے چھ سات برس بعد پیدا ہوئی تھی۔ بقول ڈیڈی وہ بڑے انتظار کے بعد انہیں ملی تھی۔ وہ اسے صبر کا انعام کہتے۔ دعا کہتے۔ خواہش اور محبت.... ایک وجہ یہ بھی رہی ہو گی کہ پہلے وہ ان کی شادی کے سات برس بعد دنیا میں آئی اور پھر اس کے بعد بھی مزید سات برس لگے دوسری بہن کے آنے میں.... ہاں دوسری کے بعد تیسرا نمبر فوراً آیا۔ نمبر چار اور پانچ زندگی والے نہیں تھے نمبر چھوٹی کے سے اتنی چھوٹی تھی کہ کہ بہنیں ماں بیٹی لگنے لگیں۔

اور پیار امی بھی اس سے بے پناہ کرتی تھیں۔ مگر ڈیڈی جیسا جنون نہیں تھا۔ ڈیڈی کے لیے وہ خام سونا تھی اور وہ اسے ڈھال کر اپنے سر کا تاج بنانا چاہتے تھے۔

دنیا نے بے اولادی کے طعنوں سے جگر چھلنی کیا تھا۔ اور پھر بیٹی کی پیدائش کو حقارت سے دیکھا تھا اور دنیا بھلا کون سی....

ڈیڈی کے ڈیڈی.... اور ماں.... اور سگے بہن بھائی۔ ماں نے عورت ہوتے ہوئے ٹی کے کی پیدائش پر ناک بھوں چڑھائی۔

بہنوں نے شکل تک نخوت سے دیکھی اور بھائیوں کی آنکھوں سے جھانکتا۔ ترحم.... وہ حیران تھے۔ اور پھر بعد کی باتیں، وہ کبھی کچھ نہیں بھولے۔

"میں آپ کے لیے تازہ چائے لاتی ہوں۔" ٹی کے سے ڈیڈی کے چہرے کا حزن دیکھا نہ گیا۔

"آں.... ہاں.... نہیں رہنے دو.... اچھا لادو.... مگر پہلے یہ سب سامان اٹھواؤ یہاں سے۔" وہ میز پر پڑے تحائف کو بے زاری سے دیکھ رہے تھے۔ رسٹ واچ، چاندی کے گول بالے اور سوٹ پینٹس.... اور ایک پرفیوم تھا یقیناً۔

"تحفے محبت بڑھاتے ہیں۔ مگر بعض دفعہ محبت یوں گھٹتی ہے جیسے کوئی درخت کو جڑوں سے کاٹ دے۔"

☆ ☆ ☆

سجل فریج کھولے طائرانہ جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ ایسی کیا چیز ہو سکتی ہے۔ جو جھٹ پٹ لنچ بنانے میں کام آئے۔ شامی کباب تھے اور ایک پیکٹ کوفتے بھی تھے۔ مگر گندھا ہوا آٹا نہیں تھا۔ سینڈوچز کا آمیزہ تھا مگر ڈبل روٹی نہیں تھی۔

ماش کی دال کی پھلکیاں تھیں۔ مگر دہی.... دہی کھٹا ہو چکا تھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے دھاڑ سے دروازہ بند کیا۔ دراصل اس کی کوئی کام کرنے کی نیت نہیں تھی۔ ورنہ وہ تو ایک انڈے سے بھی شاہی پکوان بنانے کی دعوے دار تھی اور یہ بھی تو کوئی طریقہ نہیں تھا کہ بندہ سر پر ہتھوڑے.... برسانے کے انداز میں بھیج دیا جائے کہ تین افراد کے لیے لنچ بھیج دو۔ (حسنین والے معاملے کی ناراضی ہنوز برقرار تھی)

"ایک فون تو کیا جا سکتا ہے ناں...."

"جی وہ کال کر رہی تھیں۔ مگر کسی نے ریسیو نہیں کی۔" بندے نے صفائی دی۔

سجل نے چونک کر سر اٹھایا۔ "کسی کا کیا مطلب ہے، صاف میرا نام لو۔" وہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"آپ نے خود ہی تو نام سے پکارنے سے منع کیا تھا۔" وہ بھی ادھار کا قائل نہیں تھا۔

"لیکن تم بوقت ضرورت پکار سکتے ہو۔" اس نے ترمیم کردی خود ہی۔

"لیکن مجھے کیسے پتا چلے گا کہ یہی وہ وقت ہے۔" اسے بھی لاجواب کرنا آتا تھا۔

"یہ تم اب تک کھڑے کیوں ہو؟" سجل نے تیوری چڑھائی۔

"اس لیے کہ کسی نے بیٹھنے کے لیے کہا ہی نہیں۔"

"کسی.... پھر دوبارہ کسی.... صاف میرا نام لو ظاہر ہے یہاں میرے علاوہ اور کون ہے۔"

"اچھا.....!" وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ "یعنی یہی وہ وقت ہے، جب میں نام سے پکار سکتا ہوں سجل.....!"

"ہاں۔" یہ اعتماد تھا..... یا ہٹ دھرمی یا بدتمیزی۔

"میرا نام سجیلہ بانو ہے۔ سمجھے۔" وہ تنکی۔

"جی سجیلہ بانو.....!" انکار تو جیسے سرشت میں تھا ہی نہیں۔

"تو میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"حکم تو ایسے کہتے ہو جیسے بڑے حکم کے غلام ہو۔" وہ اس سے لڑنے کو تیار ہو گئی۔

"غلام تو ہوں۔ اب تک اور آج تک آپ کی کسی بات سے انکار نہیں کیا۔"

"ہائیں ہائیں..... میں نے کب تم کو حکم دیے ہیں۔" وہ کمر پر ہاتھ ٹکائے کمرے کے بالکل بیچ میں عین اس کے سر پر آکھڑی ہوئی۔

"یہ تو آپ اپنے آپ سے پوچھیے گا۔"

"مجھے سوال و جواب کی عادت نہیں۔" اس نے گردن اکڑائی۔

"اچھا..... تو اتنی دیر سے کیا ہو رہا ہے؟" وہ ادھار تو رکھتا ہی نہ تھا' اسی بات سے سجل کو اصل چڑ ہوتی تھی۔

"یہ تو میں پوچھ رہی تھی۔"

"تو میں بھی بتا رہا تھا۔"

"اچھا..... اب تم جاؤ۔" اس نے رکھائی سے دروازہ دیکھا..... یا دکھایا۔

"اور وہ لنچ.....؟"

"تم کہنا جب تم گھر پہنچے تو یہ بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔" اس نے ہاتھوں کو تین چار فٹ چوڑا کیا۔

"لیکن اتنا بڑا تالا تو ہوتا ہی نہیں ہے۔" وہ معصومیت سے کہنے لگا۔

"حالانکہ یہ ہونا چاہیے تم جیسوں کے منہ پر لگانے کے لیے۔"

"میں اگری کرتا ہوں واقعی بعض مونہوں پہ تالا.....'

"باس.....!" اس نے ہاتھ اٹھا دیا۔ "تمہارے ابو کیا زیادہ وہ بیمار رہنے لگے ہیں؟" موضوع بدلا۔

"جی.....جی ہاں۔" وہ سنجیدہ ہوا۔

"جب ہی..... ویسے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ جب وہ رخصت پر ہوتے ہیں اور تم ان کی جگہ پر ڈرائیونگ کے لیے آتے ہو۔ گھر کا چکر لازمی لگاتے ہو۔" اسے اتنی صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔ جواب تو تھا مگر کیا دینا مناسب ہوتا۔ اس نے سوال بن کر ڈٹی سجل کو دیکھا۔ موضوع بدلا۔

"تو پھر لنچ..... (بیک ٹو دی ٹاپک..... یہی بہتر تھا اب)

"کہا تو ہے کہہ دینا اتنا..... بڑا..... تا۔"

"جی!" اس نے اپنے ہاتھوں سے حجم بنایا..... کہہ دوں گا تالا لگا تھا۔ لیکن اگر نہ کہوں تو..... یعنی سچ کہہ دوں کہ آپ نے جان بوجھ کر نہیں دیا تو؟" وہ اسے دھمکانا چاہ رہا تھا۔ پر آگے بھی وہ تھی شانے اچکا دیے۔

"تو سچ بول دینا میں تمہیں کب بزدل لگی ہوں۔"

"اوہ!" اس نے سر کھجایا۔ "بزدل اور وہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

☼ ☼ ☼

"امی سو گئیں؟" صندلین نے سجل کا سوجا منہ دیکھا۔

"جی ہاں.....!" صندلین نے اس کا چہرہ دوبارہ دیکھا۔ امی خفا ہوتی تھیں تو وہ بھی خفا ہو کر گھومتی تھی۔ (لنچ نہ بھیج کر بدلہ بھی لیا۔ امی کو مزے لے کر بتایا بھی اور امی کی تادیب پر خود کو درست قرار دے کر دم لیا۔)

"نہیں۔ انہوں نے کیا کہنا تھا.....؟" سجل بالوں میں لگی پنیں نکالنے لگی۔ "ان کی سنتا ہی کون ہے؟ دکھی کیا آپ نے آج انہیں۔" وہ واقعی اسے احساس دلانا چاہتی تھی۔

"انہوں نے کہا یہ....."

سجل نے اسے گھورا پھر نفی میں سر ہلایا۔ "وہ کہتی نہیں ہیں مگر کیا میں بالکل بے وقوف نظر آتی ہوں کہ سمجھوں بھی ناں.....؟"

اس نے نگاہ چرائی اب اس کا کیا جواب ہو۔ اس نے دھیان بٹانا چاہا نگاہیں سجل پر جار کیں' وہ سونے سے پہلے نہانے جارہی تھی۔ الماری میں سر گھسا رکھا تھا۔ کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ یونہی ادھر... اُدھر نظر انداز کرنے کی کوشش۔

"آپ نے بہت غلطی کی؟" وہ اسی مصروف انداز میں بولی۔

"میں نے کیا غلطی کی؟" اسے غصہ آنے لگا۔

سجل نے پروا نہیں کی' صاف گوئی سے بولی۔ "اپنی امی کو ناراض کیا۔ پریشان کیا دکھی کیا... اور حسنین بھائی جان کو بھی ناراض' دکھی اور پریشان بھی۔

"حسنین کا نام مت لو۔"

"کیوں نہ لوں... اتنے تو وہ اچھے ہیں۔ آپ نے ان کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کیا۔ کوئی ایسے بھی کرتا ہے بھلا۔" وہ باقاعدہ مباحثہ کے لیے تیار ہو گئی۔

صندلین نے نگاہ چرائی۔ "تم کچھ نہیں جانتیں سجل... تم کچھ نہ پوچھو اور نہ کچھ بولو۔"

وہ جانتی تھی۔ سجل شروع جائے گی' سو سارے راستے بند کردینے مناسب سمجھے مگر آگے بھی وہ ہر امکان کو مدنظر رکھ کر بیٹھی تھی۔

"اچھا...! جیسا آپ کہیں' میں چپ ہو جاتی ہوں۔ مگر ایک بات کہے بغیر نہیں رہوں گی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ صندلین پہلو بدل کر رہ گئی۔

پھر ایک نصیحت... واقعہ... کہانی اور عبرت...

اور اسے ڈرنے سے ڈر لگتا تھا۔ وہ ایسا کچھ سننا نہیں چاہتی تھی جو پائے ثبات میں لغزش کا باعث ہو۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی۔ مگر...

"ہمارے گاؤں میں تو ایسا نہیں ہوتا۔ لڑکیاں نہ تو شادی کے لیے انکار کرتی ہیں نہ اقرار مگر پھر بھی شادیاں ہو جاتی ہیں۔ ادھر شہر میں آپ کے مزے ہیں' نہ صرف شادی کرنے کا پوچھتے ہیں بلکہ یہ بھی پوچھتے ہیں۔ کس سے کرنی ہے۔ اس سے... یا اس سے اور آپ کا تو معاملہ ہی الگ ہے۔ میں نے تو ایسا فلموں' افسانوں ہی میں دیکھا پڑھا ہے۔

وہ آپ کے بچپن کے کلاس فیلو تھے پھر کالج کے بعد پڑھنے کے لیے باہر چلے گئے۔ پھر سالوں تک کوئی خیر خبر نہیں... اور جب واپس آتے ہیں تو پکے یقین سے کہ آپ ویسی ہی ہوں گی یعنی غیر شادی شدہ۔ وہ کہتے ہیں۔ انہیں پوری دنیا میں کوئی لڑکی آپ سے اچھی نہیں لگی۔" وہ رکی۔

"آپ کو پتا بھی ہے۔" اس نے آنکھیں پھیلائیں "پوری دنیا میں کتنی لڑکیاں ہوتی ہیں۔"

صندلین کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔ اور کتنے معصومیت بھرے تحیر سے پوچھ رہی تھی۔ سوال تو بنتا تھا۔ واقعی حسنین خان کو کیا کوئی نہیں ملی'

ہاں وہ بچپن کے سنگی ساتھی تھے۔ پھر اچھے ہم جماعت اچھے پڑوسی بھی رہے۔ مگر... حسنین خان اسے یوں یاد رکھے ہوئے تھا۔ یہ سان و گمان میں بھی نہ تھا۔

"ایک بات اور بھی کہوں' بھلے آپ کو برا لگ جائے۔" اس کی سوچوں سے پرے سجل کو ابھی بہت کچھ کہنا تھا۔

"ہمارے گاؤں میں تو آپ کی عمر کی لڑکی اول تو کنواری ہوتی نہیں اور اگر ہو تو دنیا باتیں سنا سنا کر مار دیتی ہے۔ پھر اگر کوئی کرے شادی کی بات تو ملتا کیا ہے' رنڈوے اور دوہاجو... ایک آنکھ کے کانے' ایک ٹانگ کے لنگڑے اور اس پر لڑکی کو شکر کے ہزار نفل پڑھنے کو ماں بھی کہتی ہے۔ ساس بھی... اور خود دولہا بھی کہ ایک ٹانگ پر کھڑی ہو کر اللہ سے شکرانہ کہہ کہ تجھے میں مل گیا ہوں۔

اور آپ... آپ تو خوش نصیب ہیں۔ وہ اتنے اچھے ہیں جیسے ڈراموں کے ہیرو... اور آپ بھی اتنی ہی پیاری ہیں جیسے..."

"ہیروئین..." اس نے مسکرا کر اس کا جملہ مکمل کیا۔

"ہاں بالکل ہیروئین!" اس نے سر زور سے ہلایا۔

"پھر سب سے حیران کرنے والی بات... ادھر گاؤں میں لڑکا بھی اپنی پسند ایسے منہ پھاڑ کے نہیں بتا سکتا۔

انہوں نے آتے ہی آپ کی امی سے سب کہہ دیا۔ پھر بھی آپ مانتی کیوں نہیں؟" وہ رقیق القلبی سے بولی۔
صندلین ہنستی رہی۔
"اچھا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ تو آپ کو پسند کرتے ہیں مگر آپ انہیں نہیں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔"
تجل نے وہ مارا کے انداز میں اچھل کر کہا۔
"پاگل ہوئی ہو۔" وہ بزرگانہ انداز سے ہنس دی۔
"پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔" اس نے سر جھکا لیا بڑی مشکل سے تو اتنا اہم خیال آیا تھا۔
"مجھے شادی ہی نہیں کرنی ہے۔"
"ہمارے ہاں تو لڑکیاں ایسے بول ہی نہیں سکتیں۔"
وہ یہیں پر آکر ٹھہرتی تھی۔
"تو میں تمہارے ہاں کی لڑکی ہوں بھی نہیں۔"
اس نے جیسے چڑایا۔
"مگر لڑکی تو ہیں ناں۔" اس کے جملے کی بے ساختگی ... صندلین پہلی بار چونکی اس نے کتنی سادگی سے دریا کو کوزے میں بند کیا تھا۔ آئینہ دکھایا تھا۔
"جاؤ جاکر نہاؤ... مجھے بھی سونا ہے۔ صبح آفس بھی جانا ہے۔"
صندلین نے کہتے کے ساتھ ہی تکیہ درست کرنا شروع کر دیا۔
"لائٹ آف کر دو۔" اس نے سر پہ چادر تانتے ہوئے حکمیہ انداز اپنایا۔ تجل کی شکوہ کناں نگاہیں اس پر ٹکی تھیں۔ مگر قطعی پن کے باعث ٹوک نہ سکی۔ آگے بڑھ کر بٹن آف کر دیا۔
"ایک آخری بات بتا دیں۔" گہری خاموشی سے اس کی آخری کوشش والی آواز...
صندلین نے ٹھنڈی سانس بھری "پوچھو۔"
"کیا وہ واقعی آپ کو اچھے نہیں لگتے؟"

☼ ☼ ☼

سر تا پا تنی ہوئی چادر کے اندر سوال گونج رہا تھا اور اک جہان آباد تھا۔
کس نے کہہ دیا... کیوں کہہ دیا... وہ اچھا نہیں لگتا تھا۔ بہت اچھا لگتا تھا اتنا کہ اس سے زیادہ اور کوئی نہیں لگا کبھی بھی۔
جب وہ بچپن کا دوست تھا۔ جب لڑکپن کا ساتھی تھا اور جب ہم جماعت تھا اور جب جب ساتھ تھا۔ سارے دوست ایک طرف' وہ ذرا ہٹ کے' احساس نہیں تھا۔ تب بھی کچھ تو تھا۔
اور اب جب اس نے آکر احساس دلایا تب بھی'

وہ خصوصی توجہ دیتا تھا۔ وہ خصوصی توجہ چاہتی تھی۔
اس سے بات کرتا تھا تو آنکھیں جگمگاتی تھیں۔
اسے اچھا لگتا تھا اس جگمگ جگمگ میں اپنا عکس دیکھنا۔
وہ مسکرا کر بات کرتا تھا۔ وہ سوچتی' وہ زندگی بھر سامع رہے۔
لیکن پھر...
بات کھلنے سے پہلے' نظر ٹکنے سے پہلے اور دل دھڑکنے سے بھی کچھ پہلے وقت بدل گیا۔ واقعات بدل گئے۔ تب خیال بھی بدل گئے۔ ارادے بدل گئے۔ ارادے بن گئے۔ اب تو بس ڈٹے رہنے کا مرحلہ تھا۔ اور یہ تھوڑا مشکل ہو رہا تھا۔
خود کو تو اس نے سمجھا لیا تھا۔ سب کچھ بتا دیا تھا اور دل کو منہ بند رکھنے کی تاکید کر دی تھی۔
مگر ان پیاروں کا کیا کرتی جو جواب حسب منشا چاہتے تھے۔
تو کہیں وہ گرتی دیوار نہ بن جائے۔ جسے بس اک دھکا اور درکار ہوتا ہے تو بس پھر ٹھیک کیا اس نے۔
سوٹے ہوا' وہ منہ بند رکھے گی۔ اور گردن نفی میں ہلائے گی۔ اس نے عزم دہرایا۔
(اچھا بڑی سخت ہو صندلین خان... تو پھر تجل کو ابھی انکار کر دینا تھا ناں کہ وہ اچھا ہی نہیں لگتا... بے وقوف) کچی پکی نیند میں وہ ساری رات دل کو جھٹلاتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"میرے والدین کو تمہاری ماں سے میرا رشتہ کرنا پسند تھا ہی نہیں۔ امی کسی بھانجی بھتیجی کو بیاہنا چاہتی تھیں۔ تمہارے دادا کم پڑھے لکھے انسان تھے انہیں تمہارے نانا کا خود سے زیادہ تعلیم یافتہ' نپا تلا اور سلجھا ہونا پسند نہیں آیا۔

وہ میری خوشی کے لیے مان تو گئے تھے۔ میری اور تمہارے تایا کی شادیاں اکٹھی ہوئیں۔ مگر تمہاری ماں کے لیے دل میں جگہ تھی ہی نہیں.... اور بعد کے سات سال کے اولاد کے انتظار نے سارے راستے مسدود کردیے اور بیٹی پیدا ہونے پر جو جشن میں نے منایا' اس نے آخری کیل گاڑدی.... اور پھر بعد میں بھی بیٹیاں۔"

ڈیڈی کی ہنسی میں دوسروں کے لیے افسوس تھا۔

"سب کے بچے آس پاس کے اسکولوں میں پڑھتے تھے۔ میں نے تمہارے لیے شہر کے بہترین اسکول کا انتخاب کیا۔ جس کی ماہانہ فیس باقی سارے بچوں کی کل فیس سے بھی دگنی تھی۔ پھر وین پہ آنا جانا۔

"پھر آپ ایک اور بیٹی کے باپ بنے تھے۔" اس نے شریر انداز اپنایا۔

"تمہاری دادی کی باتیں تو میں کان دبا کر سن لیتا تھا۔" وہ حدیث و سنت اور خوف خدا کے زیر اثر آجاتی تھیں۔

"وہ گویا اپنا سر پیٹ لیتیں۔" ڈیڈی ماں کو یاد کرتے تو محبت و احترام عیاں ہوتا تھا۔ "پھر آپ نے گھر الگ کرنے کی بات کی تھی۔"

"ہاں وہ جو گھر میں ایک کچن' ایک ہانڈی والے اصول کے ہوتے ہوئے تم لوگوں سے دوسرے درجے کے شہریوں والا سلوک تھا ناں' وہ میری برداشت سے باہر تھا۔" ڈیڈی کو کچھ تلخ رویے یاد آنے لگے تھے۔

دودھ کی بوتلوں پر تنقید۔ پھل اور بوٹی کی نا منصفانہ تقسیم' خود سے کچھ کرنا چاہتے تو پھوٹ ڈلوانے والی بات احتجاج کرتے تو بھی نیا محاذ۔

پھر تربیت کا فرق.... وہ اپنی بچیوں کو بالکل الگ ڈھب سے ایک باقاعدہ منصوبے کے تحت پالنا چاہ رہے تھے۔

"دراصل تمہارے چچا اور ان کی آل.... باپ سر دھڑ کی بازی بھی لگائے۔ تب بھی ماحول اور تربیت ماں ہی کی پر اثر ہوتی ہے جبکہ تمہارے چچا اور تائی اور دیگر سب لوگ...."

ڈیڈی نے نپا تلا انداز اپنایا' یہ عیب جوئی نہیں تھی مگر ایک تجزیاتی رپورٹ جیسی رائے.... ٹی کے ہمہ تن گوش تھی۔

"بس کیجیے.... کیوں بچی کے دماغ میں الٹا سیدھا بھرتے رہتے ہیں۔ جو بھی تھا۔ گزر گیا اچھا برا.... وہ سب اپنے گھر میں خوش.... ہم اپنے گھر خوش.... کیا ملتا ہے آپ کو ایسے بخیے ادھیڑ کر...."

اب بھی ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔ کہ صبح ناشتے کے لیے دودھ نہیں تھا۔ وہ لے آتے اور لاڈلی بیٹی سے وہ رات کے برتن دھلوانا چاہتی تھیں۔ جتنی بھی قابل ہو' پڑھی لکھی ذہین.... کچھ تو ماں کا ہاتھ بٹادے۔

ٹی کے نے احتجاج سے ڈیڈی کو دیکھا مگر وہ بے بس دکھائی دیے۔ وہ پیر پٹختی اندر گئی۔

"برتن تو ماسی بھی دھوسکتی تھی۔" بعد میں بولے۔

"جی ہاں.... میں ماسی۔ آپ مجھے بتائیے کیوں بچی کا ذہن خراب کرتے ہیں۔ وہ سب اس کے پیارے رشتے ہیں۔ دو برتن بھی ٹکرا جاتے ہیں' انسان تو پھر نظریات و افکار رکھتا ہے۔ دلوں کو محبتوں سے بھرنا چاہیے' آپ نفرتوں کو ٹھونسنے لگے۔ اونہہ!" وہ اپنی کہتی چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

"امتحان پاس کرلینا سجیلہ.... بڑی امیدوں سے تمہارے دادا نے تمہیں یہاں چھوڑا ہے۔" امی نے میٹھے لہجے میں سجل کو پکارا جو پورا منہ کھولے اور آنکھیں چندھی کرکے مارننگ شو میں شادی دیکھ رہی تھی۔

"امتحان....!" میٹھے باداموں کے بیچ جیسے کڑوا بادام چبالیا ہو اس نے۔ بصد احترام امی کو گھورا۔

"وہ تو میں پاس کرلوں گی۔ میں کبھی فیل نہیں ہوئی ہوں اماں جی۔۔۔!" اس نے شان بے نیازی سے چوٹی پیچھے ڈالی۔

"کیا مطلب' سو میں سے صرف تینتیس نمبر لے کر پاس ہونا ہے۔" امی کو اس کی بے نیازی پر ہنسی آنے لگی تھی۔

"جی ہاں۔۔۔ میں نے پانچ سالہ پیپرز میں سے وہی سوال نکال لیے ہیں جو چالیس نمبر تک جائیں۔۔۔ بس۔" اس نے انہیں حیران کردیا۔

"سجیلہ۔۔۔!" امی بدقت اسے پکار سکیں۔ خود ان کی اولادیں سو نمبر کے لیے دو سو نمبر کی تیاریاں کرنے میں ہلکان رہیں ہمیشہ اور یہ۔۔۔

"اور اتنے شاندار رزلٹ کے بعد کیا کرو گی؟" امی نے دلچسپی سے پوچھا انہیں اس سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا۔ اس لیے کہ وہ بہت اچھا سامع تھی۔ یا بہت معصوم اور بے ساختہ تھی۔ کبھی بہت ہلکی لگتی تھی۔ کبھی بہت بھاری بھرکم۔

اور ہلکا ہونا اس کا اصل تھا اور بھاری بھرکم وہ سندلین کی صحبت میں رہ کر ہوئی ہوگی۔ یا پھر یہ کہ گہرائی ہر انسان کے اندر ہوتی ہے اترنے کا فن آنا چاہیے۔

"رزلٹ کا کیا کرنا ہے۔" اس کی نگاہیں اسکرین پر تھیں جہاں اشتہارات چل رہے تھے۔ "رزلٹ فریم کروا کے دیوار پر لگادوں گی تاکہ دادا کو چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے نظر آتا رہے اور باقی کی زندگی وہ اس فخر کے سہارے گزارلیں کہ ایک گریجویٹ کے دادا ہو کر مرے۔"

"اف خدا۔" امی کی آنکھیں ابل پڑیں" اور وہ جو کہتے ہیں کہ تمہیں بی ایڈ کرا کے ٹیچر لگوائیں گے۔ اس کا کیا ہوگا۔"

"اف خدا!" سجیلہ کی آنکھیں بھی ابل پڑیں۔ "بی اے ہو نہیں رہا اوپر سے بی ایڈ کا تڑکا پلیز اماں جی. آپ انہیں وہ محاورہ کیوں نہیں سنا دیتیں۔ بی اے کے بعد بیاہ ہوتا ہے۔" وہ متوحش نظر آنے لگی تھی۔

"اوہ سجیلہ بانو۔۔۔" امی نے اسے اس کے پورے نام سے پکارا تھا۔ "بی اے کے بعد ایم اے۔ ایم ایڈ پی ایچ ڈی اور۔۔۔"

"بندہ پاگل بھی ہوسکتا ہے۔" اس نے ان کی بات کو تیزی سے کاٹ کر مہر لگادی۔ امی کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تمہیں پڑھائی سے اتنی بے زاری کیوں ہے۔ علم عقل دیتا ہے۔ اور آج کے زمانے میں تو علم کے بغیر ایک قدم بھی محال ہے۔ علم ہنر ہے اور ہنر کامیابی۔"

"مجھے استانی نہیں بننا۔" اس کی صدا احتجاجی تھی۔

"تو پھر کیا بننا ہے؟"

"میری تو بس اچھی جگہ شادی ہوجائے۔"

"شادی۔۔۔" امی نے یہ خواہش پہلی بار سنی تھی۔ حق دق رہ گئیں۔

"یہ کس نے کہا ہے۔؟"

"کون کہے گا۔ آپ یقین کریں اماں جی۔۔۔ وہ ان کے نزدیک آکر گھٹنے کو تھام کر لجاجت سے گویا ہوئی۔ "میرے ساتھ کی ساری لڑکیاں ادھر گاؤں میں بیاہی گئی ہیں۔ بس میرے ہی ساتھ ٹریجڈی ہوگئی۔"

اوہ۔۔۔ وہی قصہ۔۔۔ ٹوٹی منگنی' دل کا روگ۔ ازبر کہانی۔

"گھٹی چٹانے سے پہلے میری اماں نے اسے منگنی کی انگوٹھی پہنادی کہ پیارا بھیجا ہے۔ اس منحوس نے عین ٹائم پر اپنی خالہ کی بیٹی سے عشق کا اعلان کر دیا۔ میرا تو ہوگیا ناں بیڑا غرق۔" اسے اپنا غم جی بھر کے یاد آیا تھا۔

"ایسے رشتے زبردستی تو نہیں بنائے جاتے بیٹا! اچھا ہے۔ اس نے کہہ دیا ورنہ زندگی خوار ہی ہوتی۔ تمہاری' اس کی اور اس لڑکی کی بھی۔" امی کا لہجہ پرسکون تھا۔

"اوہ نہیں۔" وہ جھٹکے سے ان سے دور ہوئی۔ "آپ کو کچھ نہیں پتا' زندگی اب بھی خوار ہی ہے۔ میرا تو تماشا لگ گیا ناں۔۔۔ اس لیے تو دادا کے ساتھ ادھر

بھاگ آئی۔" اس کے منہ کا زاویہ بالکل بگڑ گیا تھا۔
"کیسا تماشا....؟" امی نے حلق تر کیا.... ہر بار کیسے دل دہلاتے ذو معنی جملے بول پڑتی تھی وہ....
"حق ہا....!" اس نے کہنی صوفے پر ٹکائی اور ہاتھ پر اپنا سر گرا کر ماضی کی یادوں میں چکرانے لگی۔ ماضی جو تلخ تھا، تکلیف دہ تھا۔ افوہ....
"ہوش سنبھالتے ہی میں اکیلی لڑکی تھی جس کا ایک عدد منگیتر تھا اور خالی منگیتر نہیں' بانکا سجیلا منگیتر' اوپر سے پڑھا لکھا.... ہر کلاس میں فرسٹ آتا تھا مردود۔ تمیزدار، سمجھ دار...."
وہ تعریف کررہی تھی مگر منہ یوں بنا ہوا تھا جیسے کڑوا بادام چبا رہی ہو۔
"سکھی سہیلیاں تو چھوڑیں ان کی نانیاں دادیاں تک مجھ پر رشک کرتی تھیں بلکہ رشک نہیں حسد کہیں صاف صاف.... ساری کی ساری جل ککڑیاں۔ ماموں کا پکا دس مرلے کا گھر.... موٹریں.... گیزر.... جنریٹر.... پنکھے ہائے ہائے۔ ماموں کی پکی نوکری اوپر سے اپنی زمین۔ "گاؤں کے چوہدری نہیں تھے مگر چوہدری سے کم بھی نہیں تھے۔"
"تماشا کیسے لگا؟" امی نے اسے موضوع سے ہٹتے محسوس کیا۔
"وہی تو بتا رہی ہوں۔" اس کا چہرہ پھر سے غم کی تصویر بن گیا۔
"لڑکیاں مجھ سے.... اور ان کی مائیں میری ماں سے ہو کے بھر بھر کے کہتیں۔ سجیلہ بانو کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ بچپن سے رشتہ طے ہے۔ مسائل تو ان کے ہیں اوپر تلے کی چار چار لڑکیاں.... میں اکلوتی.... گاؤں میں کہاں سے ملیں اچھے رشتے۔ سارے کے سارے اونگے بونگے، تعلیم کے نام پر ڈنڈے کے زور پر یا پھر نقلیں مار مار کے میٹرک پاس لڑکے.... نوکریوں کا کال۔ اگر کسی کی زمین اپنی ہے تو واہی بیجی کرنے میں ناک کٹتی کہ اس دن کے لیے پڑھایا لکھوایا تھا۔
اب ایسے ویلے نکموں کو کون دے گا لڑکیاں.... اور ایسے میں میرا منگیتر.... اف...." پینٹ شرٹ پہن کر جب کالج جاتا.... یا کالج سے آتا۔ سب کے سینوں پر سانپ لوٹ جاتے۔ میں بھی اور میری اماں بھی.... دونوں بے فکری سے لوگوں کے مسئلے اور تعریفیں سنتے۔ بھئی ہم کیا کرسکتے ہیں اگر باقی دنیا کو مسائل ہیں۔ ہمارے لیے تو دنیا چین ہی چین تھی۔ مگر آہ...."
اس نے ایک لمبا ہوکا بھرا اور سر تھام لیا۔
"جس منگیتر کا مجھے غرور تھا۔ جس کے نام پر میں شو مارتی تھی۔ اس نے مجھے ایسی مار ماری کہ کیا کوئی سانپ سوتے میں ڈنک مارتا ہوگا۔"
"کیا کیا اس نے سجیلہ بانو؟" امی بمشکل بولیں دل توہمات میں گھرا ہوا تھا۔ اس کی تمہید ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔
"کرنا کیا تھا...." اس نے دھاڑ لگائی۔ امی کا ہاتھ اپنے دل پر جا کر رکا آنکھیں بھی ابلیں.... سجل ہی کو اپنے لہجے کی تندی کا اندازہ ہوا' خود پر قابو پانے کے لیے لمبا سانس لیا اور آواز بالکل مدھم کرکے ڈرامائی انداز میں سر جھکا لیا۔
"مجھ سے شادی سے انکار کردیا۔"
"وہ کیوں؟" امی نے کبھی اتنی تفصیلی گفتگو اس موضوع پر کی نہیں تھی۔
"کیوں کو چھوڑیں اماں جی! کیوں میں کیا رکھا ہے۔ کردیتا شادی سے انکار...." اس نے لاپروائی سے فضا میں ہاتھ چلایا "مگر منگنی نہ توڑتا۔"
"ہائیں!" امی کا منہ آخری حد تک کھل گیا۔ "کیا کہہ رہی ہو؟" انہیں لگا انہیں مغالطہ ہوا ہے۔
"وہی کہہ رہی ہوں جو آپ نے سنا.... شادی نہیں کرنی تھی نہ کرتا مگر منگنی۔ افوہ...."
اس کی سرد آہوں نے ماحول یخ بستہ کردیا تھا۔ اپنے غم میں ڈولی کو ان کے تاثرات کی پرواہ نہیں تھی جو اسے پاگل سمجھنے میں حق بجانب تھیں۔
"منگنی تو میرا غرور تھی ناں اماں جی.... جو میں نے آٹھ نو سال کی عمر سے کرنا شروع کردیا تھا۔ اور میری انگوٹھی.... ہائے میرا امتیازی نشان۔ میرا غرور چھین لیا اس نے.... سارے گاؤں کو مجھ پر ہنسنے اور باتیں بنانے

کی آزادی دے دی اور وہ لڑکیاں جو بظاہر میرے غم میں برابر کی شریک تھیں۔ میرے ساتھ اجتماعی بددعاؤں میں شرکت کرتی تھیں۔"

"اجتماعی بددعائیں..." امی نے اپنی ستر بہتر برس کی زندگی میں یہ جملہ پہلی بار سنا تھا۔ اجتماعی دعا.... نہیں اجتماعی بددعائیں... نون غنہ کو جتنا مرضی کھینچ لیں۔

"دل میں ان کے لڈو پھوٹ رہے تھے اور یہی نہیں، منگنی میری ٹوٹی تھی، حالات ان کے بدل گئے جیسے میری منگنی نے ان کی راہ میں روڑے اٹکا رکھے ہوں۔ سال سے بھی کم وقت میں..." اس نے چٹکیاں بجائیں۔

"آدھیوں کے رشتے طے ہو گئے۔ آدھیوں کے بیاہ.... اور میں، جس نے سب سے پہلے بابل کی گلیوں کو چھوڑنا تھا، وہیں کی وہیں رہ کر سہیلیوں کی باراتیں دیکھتی رہ گئی۔ ہائے۔"

"لیکن اس نے منگنی کیوں توڑی؟" امی کو اصل بات کا اتنا علم نہیں تھا۔

"حق ہا!" اس کے چہرے پر استہزاء آن ٹھہرا "وہی بکواس جو سب کرتے ہیں "بچپن کی منگنی کو نہیں مانتا۔ مجھے میری ہم مزاج، پڑھی لکھی شریک حیات چاہیے جو قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔ کوئی بندہ پوچھے۔ میری کب ٹیسٹ ٹرانسمیشن لی اس نے کہ میں قدم سے قدم نہیں ملا سکتی۔ پیچھے رہ جاتی ہوں یا آگے بھاگ پڑتی ہوں، نرے فضول کے بہانے.... صاف صاف کہتا... پڑھائی کے نام پر اپنی خالہ کے گھر رہتا تھا، وہیں آنکھ مٹکا ہو گیا۔"

"اوں ہوں... اچھے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔" امی نے ٹوکا۔

"نہیں اماں جی...!" اس کا سر نفی میں ہلا "جب دل پر چوٹ لگتی ہے ناں تب الفاظ بھی برے اور ننگے ہو جاتے ہیں آپ کو نہیں پتا۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔ کہاں تو سارا قصہ مسکراتے چہرے اور ہنستی آواز میں کسی مزاحیہ داستان کے سے انداز میں بے پروائی سے یوں سنا رہی تھی جیسے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اور کہاں...

"اوہ سجیلہ بانو...!" امی نے آگے ہو کر اسے خود سے لگا لیا... اس کے دادا کی زبانی یہ معاملہ سن تو رکھا تھا۔ مگر اس کی زبانی سننے سے اس کرب کا اندازہ بھی ہوا جو وہ چھپائے ہوئے تھی۔

"رو رہی ہو... تم تو بہت بہادر بچی ہو۔"

"ہو گئی اماں جی... شروع شروع میں تو سمجھ میں ہی نہیں آتا تھا۔ لوگ کیا کہتے ہیں، کیوں کہتے ہیں۔ تو جواب کیسے دیتی۔"

"تمہاری ماں نے ماموں سے کچھ نہیں کہا؟"

"پہلے لڑ پڑیں... پھر رونے لگیں پھر منت بھی کر آئیں۔ اور آخر میں اعلان کیا ٹھیک ہے بھائی، تم چڑھاؤ بیٹے کی بارات اور ڈالو بھنگڑے، میں نہیں بیاہوں گی **سجیلہ بانو** کو..."

"یہ کیسی بے وقوفی کی بات کی بھئی؟" امی بری طرح چونکیں۔

"جب ہی تو کہتی ہوں، مجھے پڑھانے لکھانے کا خیال دل سے نکال کر سیدھی سیدھی شادی کی بات کریں۔" وہ دوبارہ شریر انداز سے گویا ہوئی۔ امی مسکرائیں۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز اور شکستہ چہرے نے چند لمحے پہلے دل کو بڑی تکلیف پہنچائی تھی۔

"شادی تو اللہ کے حکم سے وقت پر ہی ہوتی ہے۔" انہوں نے سادگی سے کہا۔

"مگر انسان کوشش تو کرتا ہے ناں۔"

"ہاں..." امی کی نظر غیر مرئی نقطے پر ٹک گئی۔ دھیان کہاں سے کہاں چلا گیا۔

"آپ کہاں کھو گئیں؟" اب شکستگی کی تحریر وہ پڑھ رہی تھی۔

"آں، کہیں نہیں۔" وہ لوٹیں۔ "شادی تو ہو جائے گی مگر پڑھائی بھی ضروری ہے۔"

"دل نہیں کرتا۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"اور وہ جو تمہارا منگیتر تھا وہ... کیا کرتا ہے۔"

"کیا کرے گا۔ تین سال سے اسپتالوں کے چکر کاٹتا ہے۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"اللہ خیر۔ اسے کیا ہو گیا؟" امی کا دل کانپا۔

سجل نے چونک کر ان کی شکل دیکھی پھر ہنستی چلی گئی۔

"آپ کیا سمجھیں میری بد دعاؤں میں اثر آگیا۔ ہاہاہا اتنی بھی پہنچی ہوئی نہیں ہوں۔"

"تو پھر.... کیوں چکر کاٹ رہا ہے وہ اسپتال کے۔" امی کی تو سوئی اٹک گئی تھی۔

"تین سال میں تین بچے اور ایک دو ابارشن والا آدمی۔ گھر میں ٹک ہی کیسے سکتا ہے اماں جی....."

"اوہ سجیلہ.....!" پہلے امی کا منہ حیرت سے اور پھر ہنسی سے کھلتا ہی چلا گیا۔

"کنواری لڑکیاں ایسے منہ پھاڑ کے بات نہیں کرتیں۔" انہوں نے تنبیہہ ضروری سمجھی۔

"میں نے تو کچھ نہیں کہا، جو ہو رہا ہے۔ وہی بتا رہی ہوں۔"

"ہاں پھر بھی...." امی مصر تھیں۔ "دیکھو ناں کوئی سنے تو کیا سوچے۔"

"سوچنے دیں.... سننے دیں۔ آپ صرف سامنے ٹی وی پر دیکھیں۔ بس ایک بار میرا رشتہ جڑ جائے۔ میں نے طے کر لیا ہے، شادی کسی مارننگ شو کے زیر انتظام ہی کرواؤں گی۔"

"کیا؟" امی کی گردن جھٹکے سے ٹی وی کی طرف گھومی۔ جہاں مہندی کے حوالے سے عجیب و غریب رسمیں متعارف کروائی جا رہی تھیں۔

"بے وقوف ہو تم.... سیدھا سیدھا محنت سے امتحان دو۔ ٹیچر بن کر علم کی روشنی پھیلاؤ۔"

"اور شادی....؟" اس کی آواز پھٹی۔

"وہ اپنے وقت پر ہو جائے گی۔"

"اور دولہا.... وہ کہاں سے آئے گا۔"

"اللہ نے کوئی نہ کوئی تو تمہارے لیے بھی رکھا ہو گا۔ ہر چیز کا جوڑا ہوتا ہے۔" وہ رسانیت سے کہہ رہی تھیں۔

"اچھا....!" اس کی آنکھیں چمکیں۔ "ہر چیز کا.... اچھا.... لیکن یہ بھی تو ہوتا ہو گا، کسی کسی کا نہیں بھی ہو۔" اس کے پر امید لہجے میں خدشہ سا گھل گیا۔ امی سختی سے تردید کرنا چاہتی تھیں۔ ان کا سر انکار میں ہلا بھی.... مگر پھر خود بخود جھک سا گیا۔ ہاں بعض کا جوڑا نہیں بھی اتارا ہوتا۔

اور وہ جوان کو منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ غیر محسوس انداز سے نظریں چرا گئی۔ "ہاں بعض کا نہیں بھی.... جیسے۔" اس نے سر جھٹکا۔

خاموشی کا شور ناقابل برداشت ہونے لگا تھا۔ امی کا دھیان نجانے کدھر جا کر ٹک گیا تھا۔ اس نے ریموٹ اٹھا کر آواز بڑھا دی۔

"دلہن بنتی ہیں.... ہائے نصیبوں والیاں...."

"اوہ...." امی کے چہرے پر غم نمودار ہو گیا تھا۔ انہوں نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ تیزی سے چینل ہی بدل ڈالا امی اٹھ رہی تھیں۔ اچھی خاصی مزے کی باتوں کا انجام.....

"تھوڑا لیٹوں گی۔"

اس نے سر ہلایا۔ یہ ان کے لیٹنے کا ٹائم تو نہیں تھا۔ مزے سے ٹی وی کے سارے چینل سرچ کرتے ہوئے سجل سے باتیں کیا کرتی تھیں، خود کی بینک بیٹی تو تو سے پانچ تک غائب ہوتی تھی۔

اس نے ریموٹ اٹھا کر پھر سے ٹی وی لگا لیا۔

اب اسکرین پر مہندی کی رسم ادا کی جا رہی تھی۔ وہ اشتیاق کی ماری ذرا نزدیک ہو بیٹھی جبکہ امی کی نگاہیں تو اسکرین پر جم گئیں، مگر سچ یہ تھا کہ غائب دماغی کی حالت میں تھیں۔

☆ ☆ ☆

ٹی کے کی گریجویشن پارٹی اس کے کارناموں کے حوالے سے دی جانے والی سب سے بڑی پارٹی تھی۔ مہمان اتنی تعداد میں تھے کہ شادی ہال بک کروانا پڑ گیا۔

ٹی کے کا چہرہ اعتماد و خوشی سے کھلا ہوا تھا اور اس سے کہیں زیادہ روشنی ڈیڈی کے چہرے پر تھی۔ وہ جوہری ثابت ہوئے تھے جنہوں نے ہیرے کی صحیح پرکھ کی تھی۔ ان کا جگمگاتا انمول سکہ....

ڈیڈی، ٹی کے کا ہاتھ پکڑے ہر خاص و عام سے

ملاقات کررہے تھے۔ ٹی کے تمغہ تھی جسے وہ سب کو دکھانا چاہتے تھے۔

اور ڈیڈی کے ڈیڈی کا چہرہ... یعنی دادا جان کا چہرہ... اور دیگر ددھیال والوں کا چہرہ حیرت کی تصویر تھا۔

کون بھلا یوں اپنی جوان بیٹی کو دوستوں کی محفل میں گھسائے پھرتا ہے۔ ددھیال والوں کو یہ اندازہ تو تھا کہ ٹی کے نے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے مگر ڈیڈی کی سیلبریشن نے حیرانی سے دوچار کیا۔

اتنے خرچے پر تو تو بیٹی کی بارات نبٹا دیتا۔" دادی نے کہہ ہی ڈالا۔

"بارات...!" ڈیڈی یوں اچھلے جیسے ماں نے سر پر ڈنڈا مارا ہو۔ "کس کی بارات...؟"

"ہاں' ٹی کے بڑی بیٹی ہے' پہلے اسی کی کرے گا ناں... نمبر دو والی سے تو بہت فرق ہے عمر میں...."

ڈیڈی کی نگاہ بیٹی پر ٹک گئی۔ بااعتماد' کامیاب' بے نیاز بلکہ... بلکہ۔

ماں کہہ رہی تھیں۔ بارات۔ لاحول ولا... ڈیڈی نے بدمزہ ہو کر اپنے خاندان کو دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ سب جلوس بنا کر مجھے یہ مشورہ دینے کے لیے آئے ہیں۔" ڈیڈی کی اچنبھے سے بھری آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی۔

"ہاں!" دادی کی آواز صاف اور بیٹے کی ہی طرح بلند تھی۔ ان کی باقی اولادیں خاموش بیٹھی تھیں اور صاف ظاہر تھا سب ان کے طرف دار ہیں۔ دادا جی کی گہری خاموشی بھی تائید کا مظہر تھی۔

"تو پھر میں یہ کہوں گا' مشورے کا شکریہ۔" ڈیڈی دادا کے مؤدب بیٹے نہیں رہے تھے وہ اب ٹی کے کے ڈیڈی تھے۔ ٹی کے جو گردوپیش سے انجان ہاتھ میں انگریزی اخبار کھولے کسی خاص سطر کو آنکھیں چندھی کرکے دیکھتی ہوئی ڈیڈی کے سر پر آکر کھڑی ہوئی۔

"آپ نے دیکھا ڈیڈی! آج کا نیوز پیپر... یہ ہائیر ایجوکیشن والوں کا نوٹیفکیشن' ذرا دیکھیے تو... عجیب ہی بات... اوہ...."

وہ انگلی کے اشارے سے کچھ دکھا رہی تھی۔ ڈیڈی کے پاس نزدیک کا چشمہ نہیں تھا ان کے معذوری ظاہر کرنے پر وہ سیدھی کھڑی ہوئی اور ساری خبر فر فر پڑھ ڈالی۔ دادا کو پہلی بار کسی انہونی کا احساس ہوا۔ یہ لہجہ و آواز' ٹھہراؤ اور روانی تو سات بجے کی انگریزی خبریں پڑھنے والی شائستہ زیدی کی ہو بہو کاپی تھی۔

انگلش پڑھتے وقت اس کی بھنویں اور ہونٹوں کی حرکت بھی کسی انگریز جیسی تھی۔

وہ پتلی نہیں تھی' موٹی بھی نہیں تھی۔ مگر ایک تندرست کسا ہوا جسم' کھلے ہاتھ پیر' گورا رنگ' بہت بڑی آنکھیں جن میں ذہانت کی چمک تو تھی مگر اک کرختگی بھی قدرتی طور پر موجود تھی جسے بے نیازی اور غرور نے بڑھا کر پوری شخصیت پر حاوی کر دیا تھا۔ مقابل کو ٹھٹکا دینے اور ٹھہرا دینے والا تاثر اور دادی دادا دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ جو بات وہ کرنے والے تھے۔ جو ارادہ وہ باندھ کر آئے تھے۔

ڈیڈی کے جواب سے پہلے ہی انہیں اپنا سوال ہلکا لگنے لگا۔

ایسی ہی کیفیت دوسروں کی بھی تھی۔ سب سے زیادہ بے چینی بڑی بھابھی کو ہونے لگی کہ وہ اٹھ ہی جانا چاہتی تھیں۔ ادھر باپ بیٹی سب کی حالت سے بے خبر انگلش لب و لہجہ میں اس خاص خبر پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ڈیڈی فکرمند لگتے تھے اور تشفی کروا رہے تھے۔ بیٹی غصہ تھی۔ اس نے حکومت کے لتے لیے اور پھر پیر پٹختی چلی گئی جاتے جاتے وہ "یقیناً" گالیاں دے رہی تھی۔ لہجے سے سب کو یہی محسوس ہوا۔

"جی اماں! آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔" ڈیڈی نے چشمہ لگاتے ہوئے توجہ سے نوازا۔

"لڑکی بیاہ کی عمر کو پہنچ گئی ہے۔ کچھ سوچا کہ نہیں۔"

"آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ گریجویشن کے گولڈ میڈل کو توا بنا دوں جس پر وہ روٹیاں تھوپے۔"

"تو کیا شادی نہیں کرنی اس کی۔۔۔" بڑا بھائی پہلی بار بولا۔
"بالکل نہیں۔۔۔ ابھی تو کم از کم ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔"
"ہم۔۔۔" دادی نے چائے کی ٹرالی لاتی بہو کو دیکھا۔ (اسی کی محبت نے بیٹے کو جسمانی و روحانی طور پر اپنے خاندان سے الگ کیا تھا)
"ہم سے مراد۔۔۔ میں اور میری بیٹی ٹی کے۔۔۔"
ڈیڈی ہاں کا چہرہ پڑھ رہے تھے۔
"ٹی کے۔۔۔ تو کیا اس سے پوچھے گا اس کا کیا کام ان معاملات میں بولنے کا؟" دادا کو جلال آیا۔
"وہ ان معاملات میں نہیں بول رہی۔ اس کی دنیا الگ ہے۔ اس کی زمین الگ ہے۔ اس کا آسمان کوئی اور ہے ابا۔۔۔"
"تو اس کسی اور جہان میں لڑکیاں لنڈوری پھرتی ہیں، گھر بار نہیں بساتیں۔" دادا کا دماغ الٹ پڑا۔ دادی سمیت سب نے گھبرا کر دیکھا۔ "یہی مناسب عمر ہوتی ہے لڑکی کی شادی کی۔"
"اور اتفاق سے یہی عمر ہوتی ہے۔ لڑکی کی پڑھنے لکھنے کچھ بننے کی۔۔۔" ڈیڈی نے چبا چبا کر کہا۔
"ارے تو کیا بنے گی ڈاکٹر، پائلٹ، وزیراعظم۔" دادا کے لہجے میں بے یقینی۔۔۔ جتاتا ہوا استہزا نمایاں تھا۔
"مگر یہ کیا؟" ڈیڈی نے پہلو بدلا۔ ذرا اور آرام دہ انداز نشست متانت سے مسکرائے۔
"تو یہ کون سی بڑی بات ہے۔ بن جائے گی۔ بلکہ آپ بتایئے کیا بنے۔ ڈاکٹر انجینئر اس لیے کہ آپ کی نسل کے اور کسی بچے نے تو آپ کو اس فرمائش یا خواہش کا موقع دینا نہیں ہے۔ صرف ٹی کے یا میرے باقی بچے ہیں جو۔۔۔"
"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ سب ہی بچے اسکول کالج جاتے ہیں۔ کوئی کم نمبر لاتا ہے کوئی زیادہ۔۔۔ ماشاءاللہ سے فیل تو کبھی کوئی ہوا نہیں۔"
کب سے برداشت کرتی تلقین کی ماری بڑی بھابی کا صبر ختم ہو گیا۔
"آپ غلط نہیں کہہ رہی ہیں بھابی جان۔۔۔ مگر آپ کا مسئلہ پتا ہے کیا ہے۔" آپ نے گھر کے حوض کو ہی زمین کا تین حصے پانی سمجھ لیا ہے۔ جبکہ ہماری نظر سمندر پر ہے۔ سمندر سمجھتی ہیں ناں آپ۔۔۔ ادھر کلفٹن پر۔۔۔"
بھابی پہلے سمجھیں نہیں پھر احساس توہین سے ان کا چہرہ بدلنے لگا۔
"اس طرح سے کیوں بول رہے ہیں آپ۔۔۔" بیگم کو گڑبڑ ہونے کا احساس ہونے لگا۔
"تو کیا ساری زندگی گھر پر بٹھائے گا لڑکی کو۔۔۔؟" دادا اصل معاملے پر لوٹے۔
"اللہ نہ کرے۔" ٹی کے کی امی کو ہول اٹھا۔ ڈیڈی نے بدمزہ ہو کر اپنی بیگم کو اور پھر اپنے ڈیڈی کو دیکھا۔
"کس نے کہا ساری زندگی بٹھاؤں گا جب وقت آئے گا۔"
"ارے تو آ گیا ناں وقت۔۔۔ بیس کی ہو رہی ہے لڑکی!" دادا نے سر پر ہاتھ رکھا۔
"ایک منٹ۔۔۔ ڈیڈی چونکتے ہوئے۔" آپ۔۔۔ یہ آپ سب کا انداز مشورہ دینے والا تو لگ نہیں رہا یہ تو فیصلہ کرنے والا انداز ہے۔ ارادہ کیا ہے؟"
"کیا ارادہ ہونا ہے ہم خاندان کے بڑے ہیں۔ تو سارے خاندان سے کٹ کر الگ دنیا بسائے بیٹھا ہے تو کیا۔۔۔ ہم تو تیری فکر سے انجان نہیں اور ایک لڑکی تو ہے نہیں پوری لائن لگی ہے پیچھے۔۔۔"
دادی نے اصل بات کہنے کے لیے تمہید باندھی۔
"تیری لڑکی کے لیے رشتہ دے رہے ہیں ہم۔۔۔"
"آپ۔۔۔" ڈیڈی یوں اچھلے جیسے کسی نے ڈنک مارا ہو۔
"ہاں، ہم سے مطلب ماشاءاللہ سے لڑکوں سے بھرا گھر ہے۔ سارے ہی تیرے بھانجے، بھتیجے ہیں۔ اپنا خاندان ہم اپنا خون۔۔۔"
"تیرے خیالات کو دیکھتے ہوئے ایک تو صبیحہ کا بیٹا صائب ہے اور دوسرا اس کمال کا لڑکا۔ مقیم۔ جس پر

دل چاہے ہاتھ رکھ دے۔ کوئی ناراضی شکوہ..... "

"صائب .... وہ جو میڈیکل اسٹور چلاتا ہے۔" ڈیڈی چلائے۔ "اور مقیم جو ہر مہینے جا کر باپ دادا کی دکانوں کا کرایہ وصول کرنے کے علاوہ اپنی کار دوڑائے پھرتا ہے۔ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ ان جیسوں کو دوں گا۔"

"اتنی حقارت سے کیوں بات کر رہے ہو۔ حق حلال کماتے ہیں اور اپنی ہی دکانوں کا کرایہ لیتا ہے کوئی فقیر تو نہیں .... نوٹوں میں کھیلتا ہے۔" مقیم کی ماں یعنی بڑی بھابھی نے ڈھلکا دوپٹا درست کیا بس اب وہ چپ نہیں رہ سکیں تھیں۔

"تمہیں اندازہ ہے ہم کیا کہہ رہے ہو۔" بڑے بھائی نے بھی صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی۔ جبکہ دادا پر تشنجی کیفیت طاری ہونے لگی تھی۔

"بخوبی۔" ڈیڈی کھڑے ہو گئے۔ امی متوحش سی سب کو دیکھ رہی ہیں۔ تیزی سے سسر کے لیے پانی کا گلاس بھر کر پکڑانا چاہا۔ مگر انہوں نے نفی میں انکار کرتے ہوئے گلاس پر ہاتھ مار دیا۔ پانی ادھر گلاس ادھر۔

دادی متوقع نگاہوں سے ڈیڈی کی صورت دیکھنے لگیں کہ وہ آگے بڑھ کر اپنے باپ کی دل جوئی کریں گے۔ مگر ڈیڈی کٹھور اور اجنبی ہو کر کھڑے رہے۔ بڑی امیدیں لے کر آنے والا یہ جلوس ناامید ہو کر گھر کو لوٹا۔

☆ ☆ ☆

"میں نے کہا تھا ناں ٹی کے! یہ سب فضول لوگ ہیں۔" امی کے خیال میں ان سب باتوں سے بچوں کا بے خبر رہنا ہی ضروری تھا۔ دوسرے انہیں ڈیڈی کے رویے نے بھی دکھی کیا تھا۔

"بیٹیوں کے باپ اس لہجے میں بات نہیں کرتے۔" وہ بدبدا کر رہ گئیں۔

"کیوں؟" وہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔ "تم بھی جہالت کی باتیں کرو گی، صد افسوس،"

"جہالت نہیں حکمت .... مقام .... موقع .... بیٹیاں تو بادشاہوں نے بھی دے دیں۔"

"ہاں!" ڈیڈی نے سر اٹھایا۔ "بالکل .... بادشاہوں کو ہی دیں۔ یہ کیوں بھول گئیں۔"

"دنیا بھری پڑی ہے قابل لڑکیوں سے۔ ایک سے ایک ہیرا۔" امی نے سر جھٹکا۔

"کیسی ماں ہو۔ اپنی بیٹی کو عام لڑکی کہہ رہی ہو۔" ڈیڈی نے طعنہ مارا۔

"لڑکیاں تو عام ہی ہوتی ہیں۔" امی کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"ٹی کے نہیں ہے۔" ڈیڈی نے دعوا کیا۔

"ایک اکیلی ٹی کے ہی آپ کی بیٹی نہیں ہے۔" امی کے چہرے سے ناگواری چھلکی۔

"انہیں ٹی کے کہنا پسند نہیں تھا۔ مگر منہ پر چڑھ گیا تھا (سن سن کر) اچھا خاصا نام بگاڑ دیا تھا۔ عجیب پاگلوں والا لاڈ۔ ہونہہ ....

معلوم ہے مجھے .... ڈیڈی نے اپنی رسٹ واچ اتارنی شروع کر دی۔ یہ اشارہ تھا گفتگو لپیٹ دی جائے۔ وہ سوئیں گے۔

"یہ شادی، عمر، مناسبت سب سطحی باتیں ہیں بیٹا... اور تم بلندیوں کی راہی ہو۔ خبردار جو ذرا سا لڑکھڑائیں تو.... بڑی ترغیبات للچائیں گی مگر تم نے نگاہ سیدھی رکھنی ہے۔ قدم تیز، دماغ روشن .... تم عام لڑکی نہیں ہو ٹی کے!"

یہ ساری بحث چائے پیتے ہوئے ٹی کے سے شیئر کی جا رہی تھی۔

"میں جانتی ہوں ڈیڈ...."

پہلے صرف فرماں برداری والی اثبات ہوتی تھی مگر اب اس میں سمجھ داری کا تڑکا لگ گیا تھا۔ اور کچھ عرصہ مزید گزرا تب اثبات اور سمجھ سے ہٹ کر فیصلہ بن گئی۔ پہنچ سے دور تو پہلے بھی لگتی تھی۔ اب ناقابل تسخیر بھی لگنے لگی۔

مگر یہ نہیں تھا کہ ہاتھ بڑھانے والے نہ ملے، مگر جھنڈا کوئی بھی گاڑ نہ سکا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

وہ بہت آگے نکل گئی۔ ڈیڈی ہم قدم تھے پیٹھ ٹھونکنے والے۔ داد دینے والے اب اس کی جگہ عمر کے اس مقام پر دوسرے بچے آگئے۔
باقی اپنی ایک الگ شخصیت و خیالات رکھتے تھے۔ ڈی کے اور وہ باپ بیٹی دو انسان ہوتے ہوئے بھی ایک تھے۔ جبکہ باقی سب اپنے مزاج سے پلے بڑھے۔

☆ ☆ ☆

"پتا نہیں آپ کیسے گزارا کرتی ہیں اس ایف ایم ریڈیو کے ساتھ..." پانی کے دو گلاس چڑھا لینے کے بعد وہ شکایت نامہ لے کر تسلی سے صندلین کے سامنے بیٹھی۔
"میں تو نہیں سنتی ایف ایم۔" وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔
"اوہ...! آپ کے ڈرائیور صاحب کی بات کر رہی ہوں۔"
"اچھا... ارمان!" صندلین نے لمبا کھینچا۔ "مگر وہ تو خاموش طبع سا لڑکا ہے۔"
"وہ اور خاموش طبع..." وہ اچھلی "خاموشی کا مطلب تک نہیں جانتا... سوتے میں بھی بولتا ہوگا۔ مجال ہے جو پل بھر کو بھی چپ رہے۔ ہر بات کا جواب لازم ہے جیسے۔"
صندلین مسکرائی۔ "باتونی ہونے کا الزام تو پھر سوال پوچھنے والے پر بھی آنا چاہیے۔" "وہ نہ پوچھے۔"
"افوہ... میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ اب کیسے سمجھاؤں۔" وہ بھنا کر اٹھ گئی۔
"چائے میرے لیے بھی لانا۔" صندلین نے ہانک لگائی۔
"لا رہی ہوں۔" اس کے دو لفظوں سے بھی ناراضی آمیز الجھن عیاں تھی۔
ارمان... صندلین کے ڈرائیور کا بیٹا تھا۔ کالج میں پڑھتا تھا۔ اصل ذمے داری صندلین کو بینک لانے لے جانے کی ان ہی کی تھی۔ مگر کبھی کبھار جب اسے کہیں اور بھی جانا ہوتا تو وہ آجاتے تھے مگر کچھ عرصہ سے وہ بیمار رہنے لگے تھے۔ لہٰذا جب بھی حاضر نہ ہو پاتے تو بیٹا گاڑی لے آتا۔ اور پہلے یہ آنا کم تھا۔ مگر اب اکثر ہی ہونے لگا۔ اس کے ابو زیادہ بیمار رہنے لگے تھے۔
سجل کو اس سے خاصی شکایتیں تھیں یا پھر چڑ تھی' اسے خود نہیں معلوم تھا۔
اسے دیکھتے ہی سجل کی تیوری چڑھ جاتی۔ ناک سکڑ جاتی۔ ہونٹ بھنچ جاتے یعنی سارے چہرے کی ہیئت بدل جاتی۔
وہ ہنس کر بات کرتا تو سنجیدہ ہونے کا کہہ دیتی۔ سنجیدگی اوڑھ لیتا تب پہلو بدلتی۔ وہ بھی کمال کا بندہ تھا۔ چابی والا گڈا بن جاتا۔ ادھر شروع میں اس کی تابع داری پر پرسکون ہو جانے والی کو بعد میں یہی تابع داری کھلنے لگی۔ اتنا فرماں بردار کیوں ہے یا پھر بے نہیں بس بنتا ہے۔ کیوں بنتا ہے۔ یہ بھی دھوکے کی ایک قسم ہوگی۔
مگر سجیلہ بانو... اب سجیلہ بانو نہیں رہی' سجل بن چکی ہے۔ (خود ہی نام بدل لیا تھا) اب فریب نہیں کھائے گی۔
اس کے منگیتر نے بھی تو آخری وقت تک خود کو منگیتر ہی شو کیا تھا۔ اپنی پھپھی یعنی سجیلہ کی امی کے ہاتھوں کا زردہ اور سجیلہ کے ہاتھوں کے پکوان اور دودھ پتی ملائی مار کے بلند آواز سے خدا حافظ کہہ کر گیا تھا اور اگلے دن ہونہہ... نمک حرام... چینی حرام' گھی' پتی' پان تک حرام کر گیا۔
ذرا جو شبہ ہونے دیتا۔ تو نمک کی جگہ کچھ اور ہی گھول دیتی۔ کاش وہ پہلے سے جان جاتی... منگیتر کے دل کا حال۔ اس سے پہلے کہ وہ چھوڑتا۔ یہ انگوٹھی منہ پر مار آتی۔ مگر یہ سب تو کاش کی خواہش تھی وہ اپنی دلی کیفیت سمجھ نہیں پاتی تھی۔
اللہ جانے دل کیا چاہتا تھا۔
چولہے پر چائے کا پانی کھولتا رہا... ادھر دماغ کی کھولن بھی بڑھتی گئی۔ اور صرف یہی کیوں اسے سارے مرد برے لگتے تھے۔

پتا نہیں اسے کیا ہو جاتا تھا۔

"تمہاری شادی تو کبھی نہیں ہو سکتی **سجیلہ** پھر!"
امی نے پرسوچ انداز میں کہا۔

"کیوں ؟" اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"جب مردوں سے اتنی بے زاری ہے۔ تو شادی تو مرد سے ہی کرتے ہیں ناں۔

"اوہ.... وہ تو میں خوب ٹھوک بجا کر کروں گی۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔" بڑا پریقین جواب آیا۔

امی کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

صندلین لیپ ٹاپ گود میں رکھے فیس بک پر مصروف تھی۔ جب وضو کے گیلے چہرے کو دوپٹے سے تھپتھپاتے ہوئے آستین نیچے کرتی تجل واش روم سے برآمد ہوئی۔

وہ کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔ بک ریک.... دراز' تکیے کے نیچے.... اللہ جانے کہاں چلی گئی۔

"اوہ.... !" بالآخر یاد آ گیا۔ وال فکسچر پر رکھے فوٹو فریم کے پیچھے سے ایک چھوٹی سی جیبی سائز کی کتاب.... اس کے سکھ کے سانس پر صندلین نے چونک کر دیکھا۔ "ہائیں!"

سیاہ جلی حروف میں یہ باکمال وظیفوں کی کتاب تھی۔

"جب ہی تو سوچوں' عشاء تو اس نے امی کے ساتھ ادا کی تھی۔" اگلے ہی پل اس کے ہونٹ شرارتی انداز سے سکڑ گئے۔

"اسی لیے دن رات پڑھنے کے لیے کہتے تھے کہ کتاب اٹھا کر دیکھ لو۔ کوئی حرف بھی یاد رہے گا تو امتحان میں کام آئے گا۔ مگر اس وقت سن کون رہا تھا۔ سو نصیحتوں میں سے ایک بھی سنی ہوتی تو آج امتحان میں پاس ہونے کے لیے وظیفوں کا سہارا نہ لینا پڑتا۔"

اتنا طویل طنزیہ ہنکاروں سے بھرا یہ پیراگراف دراصل صندلین بی بی کی بہ آواز بلند خود کلامی تھی۔ مگر حیرت اس پر ہوئی کہ پیاری تجل نے کوئی رسپانس نہ دیا۔ انجان بنی جائے نماز بچھاتی رہی۔

اس نے میگزین کے سرورق پر تکیہ رکھا۔ فوٹو فریم کو پلٹا دیا۔ دو رکعت نماز کے بعد دعا کرنے کا وظیفہ تھا۔

"چار بار مجھ ناچیز نے' دو بار امی نے نمبرز کا اندازہ لگا کر دیکھ لیا۔ ٹوٹل تین سوال کر کے آنے والے کے نمبر تینتیس آ جائیں۔ یہی بہت ہے۔"

اس وقت آپ نے جان چھڑاتے ہوئے فرمایا تھا۔ کوئی بات نہیں اور اب یہ وظیفہ۔"

صندلین نے لیپ ٹاپ اٹھا کر سائیڈ پر رکھا۔ اتنی طویل خاموشی....

"کیا وظیفہ کی شرط ہے' بولنا نہیں ہے۔" صندلین نے پوچھا۔

تجل نے خشوع خضوع کے لیے آنکھیں موند لیں۔

"زیادہ زور انگریزی کے لیے ڈالنا۔ اس میں تم نے سارا پرچہ حل کرنے کے باوجود کچھ نہیں کیا۔"

"اب تو پیپرز چیک ہو چکے تجل.... بلکہ رزلٹ بھی آل موسٹ تیار ہو چکا ہے۔ اب وظائف سے کیا حاصل...."

صندلین نے گال بیڈ پہ ٹکا دیا شدید ترین مایوسی کی حالت.... دوسری طرف تجل کی استقامت خوب تھی۔ مجال ہے۔ جو چہرے پر ایک بھی تاثر آنے دیا ہو۔

صندلین خود سے شرمندہ ہو گئی۔ وہ ہم کلام تو اللہ سے تھی۔ خواہ مخواہ اسے چھیڑنے کے چکر میں شیطان بن کر درمیان میں ٹانگ اڑاتی رہی۔ سجل بی بی نے دعا والے ہاتھ چہرے پر پھیرے۔ پھر اپنے گریبان میں اور دونوں شانوں پر باری باری پھونکیں ماریں۔

"کس نے کہا کہ میں اس امتحان میں پاس ہونے کے لیے رات کے تیرہ بجے وظیفے کروں گی۔" وہ دھاڑی تھی۔

"رات کو تیرہ...." اس کا مخصوص جملہ تھا۔ بہت زیادہ رات ہو جانے پر وہ گھڑیال کی حد سے آگے اپنی خود کی گھڑی گھڑ لیتی تھی۔

"تو پھر کس لیے؟" اس کا لہجہ اور چہرہ اچنبھے کی تصویر بن گیا۔

"یہ تو شادی ہو جانے کا آزمودہ وظیفہ ہے۔" اس نے عقیدت سے کتاب کھول کر دیکھی اور پھر کتاب کو سینے سے لگا کر آنکھیں موند کر جھومنے لگی۔

"کیا....؟" صندلین کی صدا چیخ سے مشابہ تھی۔

"شادی کا وظیفہ...."

"جی ہاں!" وہ تسلی سے جائے نماز لپیٹنے لگی۔

"کیا کرنے لگی ہو؟" اسے تسبیح پکڑتے دیکھ کر وہ بے ساختہ بولی۔

"گیارہ ہزار مرتبہ ورد کروں گی۔" وہ تسبیح سینے سے لگا کر جھوم گئی۔

"اس سے کیا ہو گا۔" وہ ہونق پن سے بولی۔

"شادی...." سجل نے جذب سے آنکھیں موند لیں۔

"پھر شادی...." اس نے سر پیٹا۔

"پھر.... کا کیا مطلب ہے.... ایک ہی شادی.... وہی ہو کر نہیں دے رہی اور کتنی شادی....؟" اس نے الٹا سوال جڑ دیا۔ "اور ہاں اب آپ مجھے مخاطب مت کیجئے گا۔ بڑا جلالی وظیفہ ہے۔ جلا کر راکھ کر دے گا۔"

"کسے.... دولہا کو...." صندلین کو مزہ آنے لگا۔ گول تکیہ گود میں رکھ کر آگے پیچھے ہلنے لگی۔ جبکہ سجل بھونچکی رہ گئی۔

"دولہا کو آگ.... اللہ نہ کرے...." دل کانپ کر رہ گیا۔ صندلین کا احترام کرتی تھی۔ وہ عمر میں بڑی تھی اور رتبے میں بھی.... کہا ہوتا کسی برابر والے نے ایسا بدشگونی والا جملہ....

سجل نے کرسی پر بیٹھے بیٹھے رخ پھیر لیا۔

"ویسے یہ آئیڈیا کس کا ہے؟" صندلین نے پیچھے سے پکارا۔ "وظیفے والا...."

"میرا ہی ہے اور کس کا ہونا ہے۔" منہ ہنوز دوسری طرف تھا۔

"یہ ہی شک تھا مجھے...." صندلین نے افسوس سے اس کی پشت کو گھورا اور دوبارہ لیپ ٹاپ سنبھال لیا۔

"ایک بار میرا کام ہو جائے نا۔ تو پھر آپ کے لیے بھی کروں گی۔"

"کیا....؟" صندلین کا دھیان کانوں میں ہینڈز فری لگانے پر تھا۔

"یہ ہی شادی والا وظیفہ...." وہ عقیدت و یقین کی انتہا پر تھی۔

"کیا....؟" صندلیں زور سے دھاڑی۔ ٹھاک سے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کر دیا۔

"خبردار.... اور تم بیچ میں بولیں کیوں....؟ بھول گئیں' بڑا جلالی وظیفہ ہے۔ دلہن کو بھی آگ لگا دے گا۔ پھر کہو گی گھر کو آگ لگ گئی' گھر کے چراغ سے...."

صندلیں کمرے سے نکل گئی۔ سجل کی خوف کے مارے ٹانگیں کانپنے لگیں۔ یہ کیا غلطی ہو گئی اس سے....

☆ ☆ ☆

صبح دونوں کے موڈ سنجیدہ اور ایک دوسرے کو نظر انداز کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا لگتے تھے۔ سجل کے وظیفے نے اس کی ظاہری شخصیت پر ایک رات ہی میں اثر ڈال دیا تھا۔

وہ نماز کے انداز میں خود کو دوپٹے میں لپیٹے ہوئے تھی۔ ناشتا کرنے سے پہلے اپنے پانی کے گلاس میں بھی

کچھ پڑھ کر پھونکا۔ بے نیازی سی بن کر بیٹھی صندلین نے بے ساختہ اپنے ناشتے کو گھورا۔ اگر جو اس میں بھی چند پھونکیں ماری ہوں تو۔ اس نے غیر محسوس طریقے سے امی کا چائے کا کپ اپنے نزدیک کرلیا۔ مگر امی نے دیکھ لیا۔

"یہ کیا کررہی ہو۔ میری چائے۔؟"

"کوئی بات نہیں' میں پھیکی پی لوں گی۔"

"مگر میں میٹھی کیوں پیوں۔" امی نے اپنا کپ واپس لیا۔ صندلین نے جواب کے بجائے سجل کو گھورا۔

"آپ اسے کیوں دیکھ رہی ہو۔ ناشتا ختم کرو' گاڑی آتی ہوگی۔" امی کی نظریں وال کلاک پر تھیں۔ صندلین نے بھی گھڑیال دیکھا۔ موڈ بری طرح خراب ہوگیا۔ صبح کی چائے کے معاملے میں وہ نشئی تھی۔ وہ بھی آج اس سجل کی وجہ سے حرام ہوئی۔ اس نے تیز آواز سے کرسی گھسیٹی اور کھڑی ہوئی۔ امی کی گردن اس کی سمت اٹھی۔

"کدھر۔؟"

"آفس۔"

"اور ناشتا۔؟"

"مجھے نہیں کرنا پھونکوں' وظیفوں والا ناشتا۔" بالآخر ضبط کا خاتمہ ہوا۔

"اوہ۔" امی کی پرسکون بے نیازی سی سانس نے اس کی حیرت اور پھر طیش میں اضافہ کردیا۔

"وہ تو اس نے اپنے لیے کیا ہے بھئی۔"

"تو آپ واقف ہیں؟" اس کی بھنویں مل گئیں۔

"ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے اور یوں بھی اپنے لیے خود دعا کرنے سے جلد قبول ہوتی ہے۔"

"یعنی اس کی ان پاگل پن والی حرکتوں کو آپ کی حمایت حاصل ہے۔" اس نے انگشت شہادت سے باری باری دونوں کو نشانہ بنایا۔

"لو۔ میں نے ہی تو اسے وظیفوں کی کتاب ڈھونڈ کردی ہے۔" امی نے اطمینان سے کہا۔

"اوہ۔" صندلین کی پہلے آنکھیں پھٹیں' پھر اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر چھت کو دیکھا۔ تب ہی گاڑی کا ہارن بجا۔ کہنے سنانے کو بہت کچھ تھا' مگر وہ پیر پٹختی باہر کو نکلی۔

"ارے فائلز تو لے جاؤ۔" امی کی صدا پر واپس پلٹنا پڑا۔ سجل کے چہرے پر نظر پڑی۔ جان ہی جل گئی' رات ورات اس کے چہرے سے جلال و کمال ٹپکنا شروع ہوگیا تھا اور سنجیدگی و بے نیازی۔ اف۔

صندلین کا دل سکڑا اور اگر اس کا وظیفہ صندلین کے حق میں قبول ہوگیا تو اور تو کے بعد کی بے چینی سے وہ سارا دن تڑپی تھی۔

اللہ جانے۔ قبولیت کے احساس یا پھر خدشے نے دل کو ڈرا دیا تھا۔ اللہ نہ کرے جو۔ قبول ہو اور اللہ نہ کرے کہ قبول نہ ہو۔

☼ ☼ ☼

باز پرس کا موقع ہی نہ ملا۔ گھر پہنچی تو بے تحاشا ہنسی کی آواز نے چونکا دیا۔ اگلے پل وہ سرپٹ اندر دوڑی۔ اوہ۔ اتنا پیارا سرپرائز۔ اس کا گمان درست تھا' یہ بے تحاشا کھلکھلاتی ہنسی آپو جانی کی تھی۔ وہ کب آئیں اور یوں اچانک۔ وہ بھاگتی ہوئی ان تک آئی اور ان کے کھلے بازوؤں میں سماگئی۔

"گھر یاد آرہا تھا۔ اور آپ لوگ۔"

"آپ بہت پیاری ہوگئی ہیں۔"

"یہ پھولوں کے دیس میں رہنے کا اثر ہے۔" وہ مسکرائیں۔ سب نے سرہلا کر تائید کی۔ وہ ایبٹ آباد کے کیڈٹ اسکول کی پرنسپل تھیں۔

"تو ہمیں بھی ساتھ لے جائیں' کراچی میں رہ رہ کر تو ہم کلفٹن کی ریت کی طرح ہوگئے سیاہ اور چپ چپ کرتے۔"

"اوہو! آپو جی ہنس پڑیں۔" بھئی۔ ساتھ لے جانے والی بات رہنے دو۔ تم اپنا ہنی مون منانے آنا۔"

"ہنی مون۔" وہ چونکی اور نگاہ مسکراتی امی پر اٹھ گئی جو تائیدی انداز میں خوش گمانی سے سرہلا رہی تھیں۔ سجل کا چہرہ بھی اس آئیڈیے پر کھل گیا تھا۔ اوہ۔ تو یہ کوئی سرپرائز نہیں تھا پلان تھا۔ اسے

پریشرائز کرنے کا۔۔۔

"میں چینج کر کے آتی ہوں۔" اس نے آپو جی کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا۔

"پتا نہیں اب تک امی کیا کیا نہ کہہ چکی ہوں گی اور وہ سجل اس نے تو کسی ڈراما رائٹر کی طرح ساری اسٹوری جزئیات سے سنائی ہوگی، بلکہ کسی ڈائریکٹر کی طرح پورے کامن میں پھر پھر کے وضاحت بھی دی ہوگی۔ کاش وہ انہیں سمجھا سکتی کہ یہ سب باتیں کم از کم آپو جی کو بتانے کی تو بالکل نہیں تھیں۔"

وہ اپنے طیش پر قابو پانے کے لیے نہ جانے کتنی دیر نہاتی رہتی، مگر سب چائے پر اس کے منتظر تھے۔ باہر آنا پڑا اور آتے ہی اس اوزار کو ڈھونڈنے کی خواہش میں اس کی آنکھیں تھک گئیں، جسے وہ اپنے سر پر مار سکے یا پھر باقیوں کے۔۔۔

آپو جی سجیلہ بانو کے وظائف کو سراہ رہی تھیں اور وہ کسر نفسی سے سر جھکائے سن رہی تھی۔ امی اپنی صفات بتا رہی تھیں۔ کیسے انہیں یہ آئیڈیا آیا اور اوپر سے سجیلہ بانو جس نے فرماں برداری کی حد کر دی۔ ان شاء اللہ مراد بر آئے گی۔ صندلین نے کھنکھار کر اپنی موجودگی ظاہر کرنی چاہی۔

"اور اس پڑھائی کا کیا ہوگا، جس کے لیے اس کے دادا نے بہت اعتماد سے اسے یہاں چھوڑ رکھا ہے کہ پڑھے لکھے ماحول میں اس کا بھی کچھ بن جائے۔"

جملے سادہ تھے، مگر ہر لفظ پر دانت کچکچانے کی آواز سب کو سنائی دی۔ مگر مجال ہے، جو سجل پر رتی بھر اثر ہوا ہو۔ اس کے جواب پر جہاں امی اش اش کر اٹھیں۔ وہاں صندلین کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"پڑھائی کا کیا ہے، وہ تو شادی کے بعد بھی پوری کی جا سکتی ہے۔ اماں جی کہتی ہیں۔ علم حاصل کرنے کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ گود سے گور تک علم حاصل کر سکتے ہیں۔"

الفاظ تو واقعی امی کے تھے۔ گود سے گور تک۔۔۔ مگر انداز۔۔۔ صندلین نے مٹھیاں بھینچیں اور آپو جی کو دیکھا۔ جو ایسی متانت سے ٹھوڑی گریبان میں گھسائے ہوئے تھیں۔ جیسے اشفاق احمد کو سن رہی ہوں۔

☼ ☼ ☼

کیش کاؤنٹر پر بل بنواتے ہوئے صندلین نے سر جھٹکا اور محتاط سی سانس بھری۔ مخصوص کلون کی مہک یاد بن کر سانسوں سے الجھنے لگی تھی۔ دل عجیب سی کیفیت میں گھرنے لگا۔ یاد آنے لگی۔ دکھ ہونے لگا۔ پچھتاوا سا۔۔۔ گلہ سا اور غصہ بھی۔۔۔ کوئی ایسے بھی خفا ہوتا ہے کہ راستہ بدل لے اور نظر آنا بند کر دے۔

اس نے منہ موڑا تھا۔ اس کے پاس تو وجہ تھی نا۔۔۔ تو اس نے پیچھے آنا بھی چھوڑ دیا۔ پکارنا بھی۔۔۔ یہ تو اسلاف کی روایتوں کے خلاف ہے۔

عشق کے دعوے دار تو پتھر کھاتے ہیں۔ کتوں سے کپڑے نچواتے ہیں۔ مگر روش نہیں بدلتے کون سنگ دل خود پر پوری بوتل چھڑک کر آگیا تھا۔ وہی خوشبو جو حسنین خان کے جانے کے تین دن بعد تک در و دیوار سے لپٹی رہتی تھی۔

"اف۔۔۔!" اس نے کیش کاؤنٹر کے لڑکے کو دیکھتے ہوئے سر جھٹکا۔۔۔ اوہ۔۔۔ اس کے بالکل پیچھے۔۔۔ بالکل پیچھے حسنین خان پورے کا پورا۔۔۔ اصل والا خود کھڑا تھا۔۔۔ خوشبو کا منبع بن کر۔۔۔

اس کا دل دھڑکا۔۔۔ پھر ایک مدھرلے پر تھرکنے لگا۔ وہ بل کے چکروں میں پھنسی تھی۔ جبکہ آپو جی اور سجل ذرا فاصلے پر کھڑی جوس کے مزے لوٹ رہی تھیں۔

"اللہ کرے یہ ان کو۔۔۔ اور وہ ان کو نہ دیکھے۔"

اس نے چور نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ وہ اپنے دھیان میں گم تھیں۔ پھر اپنے پیچھے کھڑے امتحان کو۔۔۔ کیا اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ پر یہ کیسے ممکن ہے۔ انتظار کی لائن میں لگے لوگ اپنے سے آگے والے کو لازمی دیکھتے ہیں۔ لیکن آج اس نے نہیں دیکھا، ورنہ یہ کہاں ممکن ہے حسنین خان۔۔۔ صندلین کو دیکھے اور۔۔۔ مخاطب نہ کرے۔

"اوہ۔۔۔ حسنین تم۔۔۔" یہ چہکتی، بلکہ شادی مرگ

طاری جیسی آواز آپو جی کی تھی۔
"اللہ حسنین بھائی جان!" خوشی سے بے حال یہ سجیلہ بانو کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔
"السلام علیکم!"
"وعلیکم السلام! آپ کب آئیں آپو جی۔۔۔ کوئی اطلاع ہی نہیں۔"
"میری اطلاع نہیں یا تم غائب ہو۔" انہوں نے اس کے غائب ہونے کی کہانی سنا دی۔
"بس کبھی کبھی یوں ہی دل چاہتا ہے۔ ساری دنیا سے کٹ جائیں۔" (ہائیں)
"اوہ۔۔۔ اتنی مانتے ہو دل کی۔۔۔"
"تابع دار جی۔۔۔" وہ ادا سے سینے پر ہاتھ رکھ آپو جی کے سامنے جھکا۔ آپو جی نے ہنس کر اسے سراہا۔
اور اب یقیناً "مجھے کھوجے گا اور پانا کیا مشکل۔۔۔ گردن گھما لے بس۔۔۔ پھر نئی آزمائش۔ خوشی سے چمک اٹھنے والا چہرہ بولتی آنکھیں۔۔۔ ذو معنی جملے۔۔۔ (اتنی مثالیں خواہ مخواہ وقت کا ضیاع۔۔۔ سیدھا سیدھا کرنے والی بات۔ دل و جان سے نثار ہونے لگتا۔)
مگر وہ آج منہ پکا ہی رکھے گی۔ ذرا لفٹ نہ دے گی۔ مبادا وہ پھر نئی امیدیں پال لے۔ اس نے فیصلہ کیا اور پُرسکون ہو کر ان تینوں کی جانب گھوم گئی۔
"اور صندلین؟" حسنین نے جیسے اسے اب دیکھا۔ (ڈٹی رہنا صندلین، خبردار جو کسی خوش فہمی کا راستہ کھلا چھوڑا تھا۔۔۔)
"کیسی ہیں آپ۔۔۔؟"
آپ۔۔۔؟ صندلین کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔ وہ آپ کب سے ہو گئی اور ادھر وہ اتنی عزت سے پکار کے آپو جی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یعنی نظر انداز کر دیا۔ اتنی ذلت۔۔۔ ذلت نہیں دکھ۔۔۔
دکھ مگر کیوں۔۔۔؟ تم ہی نے تو کہا تھا کہ۔۔۔ اسے تھوک نگلنا مشکل ہو گیا۔ اب وہ اسے دیکھے جاتی تھی جو جی جان سے آپو جی کی طرف متوجہ تھا۔

☆ ☆ ☆

کیسے اداس، بے بس اور ناکام سے دن تھے۔ رات اترتی تو لوٹنے کا نام نہ لیتی۔ دن چڑھتا تو کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ امی کی شوگر ہائی تھی اور اس بات کو سوچ سوچ کر بی پی ہائی ہو جاتا تھا کہ اتنے پرہیز کے باوجود۔۔۔ آخر کیوں۔۔۔؟
سجل کا رزلٹ دور تھا اور اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ پروا تھی، غم تھا تو اس بات کا وظیفوں کا اثر۔۔۔ آخر کب ہو گا۔ اس نے وظیفے۔۔۔ بدل بدل کر کرنے شروع کر دیے۔
ادھر صندلین کی زندگی سے چین رخصت ہو گیا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے کانوں میں چند الفاظ گونجتے اور "آپ کیسی ہیں صندلین۔۔۔؟"
آپ۔۔۔ اتنا تکلف۔۔۔
کیسی۔۔۔ اسے جاننے پہچاننے کے دعوے کرتا تھا۔ پھر کیسی کیوں پوچھا۔ اتنی اجنبیت۔۔۔ اس کے حلق میں کانٹے چبھتے۔۔۔
اور ہیں۔۔۔ وہ تو ہمیشہ سے ہو۔۔۔ تھی۔۔۔ اس نے اسے کیوں اتنے ادب سے پکارا۔۔۔ اسے اس کی بے ادبی اچھی لگتی تھی۔ (یہ انکشاف بھی اب ہی ہوا۔)
اور سب کچھ بھول سکتی تھی۔ مگر اس نے اسے صندلین پکارا۔۔۔ وہ تو اسے ہمیشہ صندلی کہتا تھا۔
نون پر نقطہ کیوں لگایا۔ اسے لگا نقطہ نہیں بھالا ہے جو سینے میں عین دل کے مقام پر گر گیا۔
کیوں پکارا تم نے مجھے صندلین۔۔۔ صندلین تو میں دنیا کے لیے تھی۔ پہلے اس کا دل رو رہا تھا۔ پھر وہ خود بھی رو دی۔
اور دیکھو ذرا۔۔۔ کہاں تو اس کی نظریں۔۔۔ صندلین کے قدموں سے بے آواز بلی کی طرح بندھ جاتی تھیں اور اس دن اس نے اسے یوں نظر انداز کیا جیسے گناہ لکھے جانے کا ڈر ہو اور اس نے تازہ تازہ توبہ کی ہو۔ اور اوپر سے وہ جملہ۔۔۔ جب سجل نے پوچھا۔
"آپ کہاں سے اتنے پیارے پھول لاتے تھے۔ کتنے دنوں سے ہمارا گلدان خالی ہے۔"
"تمہیں چاہئیں تو میں لا دوں گا۔" وہ شفقت سے مسکرایا۔ "مگر بالکل ویسے کی شرط مت لگاؤ۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"دراصل وہ باغ ہی اجڑ گیا' جس کی شاخوں پر محبت کے سرخ گلاب اگتے تھے۔ اب تو بس ٹنڈ منڈ کانٹوں کا جھاڑ ہے۔ سوچنے ہی سے انگلیوں میں چبھن ہونے لگتی ہے اور اب سے جانے کی ہمت نہیں ہے۔"

"اتنی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہے ہو حسنین۔۔۔؟" آپو جان نے پوچھا۔

"مایوسی کی تو نہیں۔۔۔ کار دل بگڑ جائے تو سارے جسم کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ قدم چلنے سے انکاری ہیں۔ اپنی لاچاری پر خود پر ترس آتا ہے۔ عشق نے ہم کو نکما کر دیا۔ ورنہ۔۔۔ چٹکی بھر زہر پھانک کر پڑ جاتے۔"

"تو ایسی غلط جگہ پر دل لگایا کیوں؟" آپو جان نہ جانے کیا جاننا چاہتی تھیں۔

"اس وقت اندازہ نہیں تھا۔ پتھر سے سر ٹکرا رہا ہوں۔"

اور اس کے بعد اس نے ان تینوں کو آئس کریم کھلائی اور بہت سے کھلے پھولوں والا گلدستہ سجل کو لے کر دیا۔

وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اتنے بہت سے رنگوں کے بیچ سرخ گلاب کہیں نہیں تھے۔

اتنی باتوں میں سے ایک بات اس سے نہیں کی تھی۔ اس کے لیے نہیں تھی۔

اتنے سارے بلند آہنگ قہقہے۔۔۔ اور اس سے مروت بھی نہیں نباہی۔۔۔ ہاہ۔۔۔ آہ۔۔۔

* * *

سجل کے چہرے پر غم کی گہری تحریر تھی۔ بظاہر چائے کا دور چل رہا تھا۔ ایک آدھ جملہ بھی ہو جاتا' مگر تینوں نفوس کا دھیان اس کی جانب تھا۔ جو چائے سے بے نیاز ٹھوڑی پر ہاتھ جمائے چھت کے ڈیزائن کو حفظ کر رہی تھی۔ تینوں خبریں ہی دل و جان پر ستم کا باعث بنی تھیں۔ منگیتر کے گھر چوتھے بچے کی پیدائش۔۔۔

"یعنی محبت پنپ رہی تھی۔ دے ثبوت پہ ثبوت۔۔۔ یہ ہی حال رہا تو گاؤں میں انسان کم رہ جائیں گے' یہ ہی نمونے گھومتے دکھائی دیں گے۔" اس نے کہہ بھی دیا اور پھر مراقبے میں چلی گئی۔

شدید فکر مندی کے عالم میں چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر غم غلط کرتے سجل کے دادا۔۔۔ پوتی ضدی کبھی نہیں رہی تھی۔ مگر اس ایک منگیتر والے معاملے پر۔ انہوں نے تو عقل پکڑنے کے لیے یوں ہی خواہ مخواہ خبر دی تھی۔ یہ نہیں معلوم تھا۔ وہ مراقبے میں چلی جائے گی۔

"اور آپ کہتی ہیں' میں منگیتر کے گناہ معاف کر کے آگے بڑھ جاؤں۔" اس کے ذہن میں نہ جانے کیا چل رہا تھا۔ یک دم امی کو مخاطب کر لیا۔

"میری ہم جولیوں میں سے یہ آخری لڑکی ہے جو بیاہی جا رہی ہے اور میں آپ کو انگلیوں پر گنوا سکتی ہوں۔ اس تین سال کے عرصے میں گاؤں کی لڑکیاں تو چھوڑیں بھیڑیں' بکریاں تک بیاہی گئیں۔ بس ایک میرے سوا۔"

"ہاں ویسے مجید صاحب! یہ سوچنے والی بات ہے ضرور۔۔۔" امی **سجلہ** کے دادا کو بہت عزت سے مخاطب کرتی تھیں۔

مجید صاحب نے ایک نظر پوتی کو دیکھا' پھر نگاہ چرا لی۔ امی نے اچنبھے سے سجل کو دیکھا۔ چونکی صندلین بھی تھی۔

"بتا دیں دادا! جب اتنی باتیں بتا دیں تو یہ بھی بتا دیں۔"

"کیا واقعی کوئی وجہ ہے؟" امی چونکی ہو کر متوجہ ہوئیں۔ دادا نے پھر نگاہ اٹھائی' پھر سے جھکائی۔ سجل کے چہرے پر ایک استہزا آمیز اجنبیت در آئی۔

"دراصل۔۔۔" دادا نے لب کھولے۔ "ادھر گاؤں میں منگیتر چھوڑنے کا رواج ہی نہیں ہے۔ غیرت کا معاملہ ہوتا ہے۔"

امی نے سر ہلایا۔ "ہاں یہ تو ہے۔"

"قتل و غارت ہو جاتی ہے۔ لڑکی کو ساری عمر اپنی ماں ہی کے گھر میں رہنا ہوتا ہے۔"

"تو زبردستی ہے کیا؟" امی نے منہ بنایا۔ دادا نے نگاہ سامنے ٹیبل پر جمادی۔

"اپنی بات پوری کریں دادا!" سجل کے لہجے کا طنز درودیوار تک کو اپنی لپیٹ میں لے گیا۔

"زبردستی کی بات نہیں ہے۔ پھر اس لڑکی کو کوئی بیاہتا نہیں ہے کہ اس کے نام کے ساتھ اتنے سال کسی اور کا نام جڑا رہا۔ تو یہ دوسرے مرد کی غیرت کا معاملہ بن جاتا ہے۔"

"اللہ!" امی نے سٹپٹا کر صندلین کو دیکھا جو صوفے پر آگے سرک آئی تھی۔ دونوں کی نظریں سجل کی طرف اٹھیں۔ جس کے چہرے کی طنزیہ مسکراہٹ دیکھنا اب دل گردے کا کام تھا۔ وہ دوبارہ گال ہاتھ پر ٹکا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ جیسے اندر موجود لوگوں سے گفتگو سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو۔

"یہ کیا بکواس ہے؟" امی نے صندلین کو دیکھا۔ "یہ وہ مطلقہ کی تو پھر مٹی پلید ہوجاتی ہوگی۔" صندلین نے نکتہ پکڑا۔

"مطلقہ...؟"

"طلاق والی عورت..." امی نے ناگواری سے وضاحت دی۔

"اوہ!" دادا نے سکون کا سانس بھرا۔ "طلاق والی بات تو کبھی ہوئی ہی نہیں اور بیوہ سے کرلیتے ہیں۔ اس کا برا نہیں مانتے۔ مگر منگنی ٹوٹنے سے لوگ لڑکی کو مجرم سمجھتے ہیں۔"

"سجیلہ نے نہیں چھوڑا اسے۔ اسی کو کوئی اور اچھی لگ گئی۔" امی کی آواز بلند ہوئی۔

"یہ کوئی نہیں سوچتا۔"

"گولی ماردینی چاہیے تھی اسے۔" امی کو قتل جائز لگنے لگا۔

"مارنی تو چاہیے تھا مگر میں بڈھا' ہاتھوں میں جان نہیں تھی۔ پھر وہ اس کی ماں کا سگا اکلوتا بھتیجا تھا۔ اس نے بڑوں کے سامنے زندگی بھر منہ نہ دیکھنے اور نہ کھانے کی قسم کھائی اور اپنا فیصلہ اللہ کے سپرد کردیا۔"

"تو آپ مار دیتے گولی دادا..." صندلین بولی۔

"آپ کا تو سگا اکلوتا بھتیجا نہیں تھا نا۔"

"صحیح کہہ رہی ہے..." امی بھی اس کی ہم خیال ہوگئیں۔ "اپنے علاقے کا کلچر جانتے بوجھتے ہوئے اس نے ایسا قدم اٹھا کر ایک لڑکی کو زندہ درگور کردیا۔ اسے جتنی بھی سزا دی جائے کم ہے۔"

"غضب خدا کا اتنا ظلم... وہ بھی سب کچھ جانتے بوجھتے۔" اس نے سجل کو دیکھا۔ جو کھڑکی سے باہر دیکھنے کے بجائے چبھتی' مگر مسکراتی نگاہوں سے دادا کو دیکھنے لگی تھی۔ دادا' پوتی کی نگاہ ملی تو دادا نے نظر جھکالی۔

"بتادیں دادا... آپ یہ بھی نہیں کرسکتے۔"

"کیوں... کیوں بھلا...؟" صندلین نے تیزی سے پوچھا۔ وہ اس سے کم پر اب راضی نہ ہوتی گویا۔

"وہ صرف اس کی ماں کا اکلوتا بھتیجا نہیں ہے نا۔ میرے بھائی کا اکلوتا پوتا بھی تو ہے۔"

"یعنی یہ کہ... وہ دادا کے بڑے بھائی کے بیٹے کا بیٹا ہے۔ خاندان کا اکیلا وارث... اسے گولی ماردینے کا مطلب ہے' اپنی نسل کو ختم کردینا۔ یہ بے وقوفی بھی کوئی کرتا ہے بھلا..."

"اوہ میرے خدا!" امی بھونچکی رہ گئیں۔ الفاظ صندلین کے بھی گم ہوگئے تھے۔ دونوں کی نظریں مجرم بنے دادا سے ہوتی سجیلہ بانو پر آکر رک گئیں۔ ایسی ناانصافی... ظلم... نہیں موقع شناسی...

حرفوں اور لفظوں کی سیاہی نے اس کے صبیح چہرے کو ہولناک بنادیا تھا۔

"بات یہاں ختم نہیں ہوتی اماں جی...!" چہرے کے برعکس اس کا لہجہ کھنکتا ہوا تھا۔ دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔ وہ پیارا سا مسکرارہی تھی۔ مگر یہ کیسی مسکراہٹ تھی۔ جس میں آنکھیں گیلی تھیں۔ صندلین کا دل کرلایا۔ "اتنی آسانی سے معاف نہیں کیا میری اماں نے بھتیجے کو۔ اس کے نکاح کے چھوہارے بانٹنے کے بعد تھیلا جھاڑ کر رکھتے ہوئے ایک چھوہارا اپنے منہ میں رکھا۔ اور ایک دنیا کے سامنے قسم کھائی کہ وہ اب کبھی اپنی بیٹی کو بیاہے گی

نہیں۔ وہ تا عمر منگیتر کے نام پر بیٹھی رہے گی۔"
"اوہ نہیں..." امی کے سارے وجود پر رعشہ سا اتر آیا۔
امی کی ڈبڈبائی نگاہیں اس کے چہرے پر نظر پڑنے سے چھلک گئیں۔ "یہ تو بھی بتایا ہی نہیں۔"
"تم اتنا سارا ہنس کیسے لیتی تھیں؟" صندلین نے بھی پوچھا۔
"تھیں کا کیا مطلب... ابھی بھی تو ہنس رہی ہوں۔" وہ کھلکھلائی۔
"کس طرح؟" صندلین کی آواز پھٹ رہی تھی۔
"اس طرح کہ شادی نہ کرنے کی قسم میری ماں نے کھائی ہے۔ میں نے نہیں... گاؤں کے لوگ نہ پوچھیں۔ بے جرم سزا دیں، تو دیتے رہیں۔ میں اماں کے قول کی ذمہ دار نہیں... میں کیوں کسی کے نام پر بیٹھوں۔ وہ مر گیا ہوتا تو قبر پر جا کر بیٹھ جاتی۔ مگر اس نے مجھے جیتے جی مارنے کی کوشش کی ہے۔ شادی تو میں کر کے رہوں گی۔ آپ دیکھیے گا۔ قسم سے..."
اس کا مخصوص پر یقین لہجہ اور شگفتگی عود کر آئی تھی۔ امی نے صندلین کو تصدیق طلب نگاہ سے دیکھا۔ تو اس نے ان کا ہاتھ دبا کر تشفی کرا دی۔
سجل کے دادا کھڑے ہوئے۔ انہیں آج بھی ناکام لوٹنا تھا۔ دو سال پہلے وہ اسے یہاں چھوڑ گئے تھے۔ اس کی خاموشی... یا اس کا شور دونوں ناقابل برداشت تھے۔ عضو معطل کی طرح گھر کے کسی کونے میں پڑی رہتی۔ دوسری طرف اس گھر کا سکون...
اسے سب سے شکوے تھے، مگر ماں سے سب زیادہ، اس پر خوشیوں کے دروازے بند کر کے وہ اپنے بھائی اور بھتیجے سے کیسا انتقام لینا چاہتی تھیں۔ انہیں احساس ہوتا تو سب کچھ جانتے بوجھتے ایسا قدم اٹھاتی ہی کیوں۔ ہم کیوں چاہتے ہیں، دوسرے ہماری فکر کریں۔ ہماری قربانیاں دیکھیں۔ ایثار کو سراہیں یا پھر یہ ماں کی خود اذیتی تھی۔ صدمے کی انتہا نے انہیں عقل و شعور سے محروم کر دیا تھا۔
دادا کے لیے یہ بڑا مشکل وقت تھا، کسے مورد الزام ٹھہراتے۔ وہ بڑی اپیا کے پیون تھے۔ بڑی افسر، رعب دبدبہ... سب کی جان نکلتی تھی۔ غصہ تو ان کی ناک پر دھرا رہتا تھا۔ بس مجید صاحب کی بزرگی کا لحاظ کرتی تھیں جو ریٹائرمنٹ کے بعد بھی روز دفتر آجاتے۔ میڈم کا بیگ اٹھاتے، فائلز و دیگر سامان...
"گھر رہ کر کیا کروں، حکومت پنشن تو دیتی ہے نا۔ مفت میں تو کام میں کرتا نہیں، ویسے بھی گھر میں رہوں تو اور مصیبت..."
پھر مصیبت بھی بتا دی۔ ظاہر ہے میڈم نے تاسف سے سر ہلایا۔ اور وہ سب کہا اور کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جو وہ کر سکتی تھیں یا کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے نزدیک اول تو منگیتر کے ہجر میں جوگ لینا ہی بے وقوفی تھی اور منگیتر کو اگر وہ چاہیں تو وہ اسے درخت سے الٹا لٹکا کر جوتے لگوا سکتی ہیں۔ بے ہودہ قسم دلا دینے پر وہ سجیلہ بانو کی ماں کو کفارے کے نام پر سر پر اخروٹ توڑنے کی سزا دے سکتی ہیں۔
اور سب سے اہم اور آخری بات جس پر انہوں نے فوری عمل درآمد کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ وہ سجل کے لیے تھا۔ "منگیتر، منگنی، رسم و رواج پر لعنت بھیج کر وہ خوابوں سے نکل کر عملی زندگی گزارے۔ بارہ جماعت پاس ہے۔ تو جو وہ کرے۔ پھر ٹیچر ٹریننگ کورس کرے تو وہ خود سائن کر کے اسے گاؤں کے اسکول کی استانی بنا دیں گی۔"
سجل کی پڑھائی سے دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔ مگر راہ فرار کا اس سے اچھا راستہ پھر شاید نہ ملتا۔ اس نے بوریا بستر سمیٹ لیا اور ادھر آ گئی۔ اس گھر میں صندلین، امی کے ساتھ خاموش مشینی زندگی گزار رہی تھی۔
ایک نو عمر، بھولی بھالی سی لڑکی کی آمد نے ذرا رونق کر دی۔ وہ ملازمہ بالکل بھی نہیں تھی، مگر اس نے خود بخود ایک کے بعد ایک ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں۔ سب سے بڑھ کر امی کی دل داری... وہ بڑھاپے کا شکار بیماریوں کا نشانہ... تنہائی کے گھونٹ دوائیوں کے ساتھ بھرا کرتی تھیں۔
سجل نے ان کی زندگی میں رونق لگا دی۔ گھر کا ٹی وی

چلنے لگا۔ صندلین صبح سے شام بینک میں اور رات کو لیپ ٹاپ کو گود میں لے کر بیٹھا کرتی تھی۔ امی کو توجہ بس اتنی دے پاتی کہ ان کے نزدیک بیٹھ جاتی۔ ہوں ہاں کے جواب..... امی خود ہی خاموشی اوڑھ لیتیں۔ آرام چیئر پر جھولتی جاتیں۔ اب یہ ہوا کہ دونوں نے مل کر ڈرامے دیکھنے شروع کردیے۔ واک پر بھی جاتیں' باتیں کرتیں۔

امی نے ساری زندگی شوہر کے کھینچے دائرے کے اندر گزاری تھی۔ انہیں لگتا۔ گاؤں سے آئی سیدھی سادی سی لڑکی انہیں اصل دنیا دکھا رہی ہے' اس سے پہلے تو وہ بس.....

سجل کو پڑھائی سے دلچسپی نہیں تھی۔ بڑی مشکل سے کتاب کھولتی۔ہاں باقی اس نے تمام باتیں اور طریقے بڑے کم وقت میں سیکھ لیے۔ بولنے کا طریقہ..... الفاظ کا چناؤ' نشست و برخاست..... لباس و انداز میں بھی وہ صندلین لگتی' کبھی امی.....

سب کچھ کہہ دینے والی باتونی نے دل کا حال تو کبھی بتایا نہیں اور آج جب.....

"اسی لیے تو وظیفہ کررہی ہوں۔" رات اس نے دادا کو واپس بھیج دینے کے بعد اداس ترین ماحول کو اپنی چمکتی آواز سے بارونق کرتے ہوئے اعلان کیا۔ "تاکہ جلد از جلد شادی کرکے اپنے دولہا کے ساتھ گاؤں جاؤں اور سب کو دکھاؤں کہ یہ دیکھو....." اس نے ہاتھ یوں بلند کیے جیسے ایوارڈ تھام رکھا ہو۔ مگر ان دونوں کے چہروں پر ذرا سی مسکان نہ ابھر سکی۔ "اتنی اداس شکلیں بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ کامیابی دور نہیں' عنقریب میرے ارمان پورے ہونے کا وقت آنے والا ہے۔ کیونکہ....." اس نے ڈرامائی وقفہ دیا۔ "میں نے وظیفہ بدلنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اب ایک اور نیا جلالی کمالی وظیفہ ہاتھ لگا ہے۔ دیکھیے گا' کچے دھاگے سے بندھے سرکار چلے آئیں گے قسم سے۔"

امی نے سر ہلایا۔ صندلین آہ بھر کے رہ گئی۔

بہادر صرف وہ نہیں ہوتے جو میدان جنگ میں دشمن کو پچھاڑ دیں۔ بہادری تو یہ ہے کہ آپ ہار تسلیم نہ کریں اور لڑتے رہیں۔ اصل مقابلہ انسان کا خود اپنے آپ سے ہوتا ہے۔ اپنے اندر ہمت ہو تو ہی ہمت بانٹی جاسکتی ہے اور.....

جو لوگ خود پر اختیار پالیں..... پھر ساری دنیا ان کی دسترس میں آجاتی ہے۔ ان کے آگے ہتھیار ڈال دیتی ہے۔ بے اختیار ہوجاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

"یہ ٹھیک ہے کہ ادھر خاندان میں کسی کی چھوڑی منگیتر سے شادی مشکل سے ہوتی ہے۔ مگر گاؤں سے بہت سے رشتے آئے بھی تھے۔ مگر یہ مانتی ہی نہیں۔" سجل کے دادا نے نئی بات بتائی۔

"تو کیسے تھے وہ رشتے؟"

"اچھے تھے' بہت اچھے تھے' مگر یہ سننے کو تیار ہی نہیں ہوئی۔"

"تو آپ وجہ تو پوچھتے۔" صندلین نے کہا۔

"وجہ نہیں بتاتی۔ یا چپ رہتی ہے یا شور کرتی ہے' ورنہ رونے لگتی ہے' پھر وہ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔" دادا نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

"اچھا..... آپ تسلی رکھیں' میں بات کروں گی۔" اس نے تشفی کرائی اور امی کو دیکھا۔ جو گہری سوچ میں گم تھیں۔ دادا چلے گئے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے' کیا وجہ ہوگی؟" رات امی کا بی پی چیک کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم....." امی نے آنکھیں موندیں۔

"پھر بھی....." وہ اس موضوع پر بحث کرلینا چاہتی تھی' تاکہ کسی سرے تک پہنچے۔

"وجہ تو مجھے تمہارے انکار کی بھی نہیں معلوم..... وہ تو پھر پرائی لڑکی ہے۔"

"امی....." صندلین کے ہاتھ ساکت ہوگئے۔ مگر امی اپنی بات کہہ کر کروٹ بدل گئیں۔ اس کے سوال حلق ہی میں گھٹ گئے۔ اسے کہتے ہیں بحث سمیٹنا..... یا منہ پر مار دینا۔

اور یہی جملہ ذرا ناراض اور جھجکے انداز میں سجل

نے بھی کہہ دیا۔
"آپ بھی تو حسنین بھائی جان کو انکار کی وجہ نہیں بتاتیں۔"
"میں کہاں سے بیچ میں آگئی۔" اس کی آواز غیر ارادی طور پر مدھم ہوتی چلی گئی۔
"اور وہ جو تم وظیفے کرتی ہو۔" اسے بروقت یاد آیا۔
"ہاں..." وہ مسکرائی۔ "اس لیے کہ شادی تو مجھے کرنی ہی ہے۔"
"مگر کس سے...؟"
"یہ ہی تو پتا نہیں چلتا، سمجھ میں نہیں آتا۔ کاش اللہ نے ماں، باپ، بہن، بھائی کی طرح یہ رشتہ بھی خود سے جوڑ دیا ہوتا۔ اچھا برا جیسا بھی ہوتا نہ ٹوٹتا اور محبت بھی ہو جاتی۔" اس نے عجیب و غریب خواہش کی۔
"جوڑے تو اللہ ہی بناتا ہے۔" صندلین بہت دیر بعد بولنے کے قابل ہوئی۔
"تو پھر اس نے منگنی کیوں توڑی؟"
"تم اس بات کو بھول کیوں نہیں جاتیں۔" اس نے ترنت پوچھا تھا۔
سجل نے جواب نہیں دیا۔ دوپٹے کے پلو کو انگلی پر لپیٹنے لگی۔
"پتا ہے، میرا دل کیا کرتا ہے۔ میں ایک روز صبح اٹھوں اور وہ میرے سامنے آجائے۔" وہ حسرت زدہ خواب ناک انداز میں بولی۔
"وہ... وہ کون...؟" صندلین کا لہجہ بھی دھیما سا ہو گیا۔
"وہی جسے اللہ نے صرف میرے لیے بھیجا ہو۔ مجھے سب غلط لگتے ہیں۔ صحیح غلط کی تمیز بھول گئی ہوں۔ وظیفہ بھی یہ ہی کرتی ہوں 'اللہ میری مشکل حل کر دے۔ مجھے صحیح شخص تک... یا صحیح شخص کو مجھ تک پہنچا دے۔" صندلین دنگ رہ گئی۔ وہ کتنی کمزور و بے بس دکھائی دے رہی تھی۔ صندلین نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"تم نے مجھے حیران کر دیا سجل...! آج اپنا دل کھول کر رکھ دیا، مگر پھر بھی اصل وجہ ابھی تک نہیں بتائی۔ میں امید رکھوں کہ تم مجھ پر بھروسہ کرو گی؟ پتا ہے شیئر کر لینے سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ الجھن سلجھ جاتی ہے۔ دو سال سے ہمارے ساتھ رہ رہی ہو۔ کیا ہم پر اعتبار قائم نہیں ہوا؟"
"بات اعتبار کی نہیں ہے، بات شرمندگی کی ہے۔"
"شرمندگی..."
"ہاں میں خود سے شرمندہ ہوں۔ مجھے منگیتر سے نفرت ہے۔ اصلی والی نفرت... مگر اپنے نام کے ساتھ جوڑے جانے والے ہر شخص کو میں اس کے تقابل میں دیکھتی ہوں۔ ویسا ہی قد کاٹھ ہو، ویسی ہی آواز و انداز... جیسے سارا کا سارا وہ۔ اور اپنی اس کمزوری پر میں خود سے خفا رہتی ہوں۔ میں نے دل کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ اس سے اچھا ڈھونڈ لوں گی، مگر دل نے کہا نہ اچھا، نہ برا... نہ کم، نہ زیادہ... بس بالکل اس جیسا... اب بتائیں میں کیا کروں... ہے کوئی اس کا حل...؟" اس نے ششدر بیٹھی صندلین سے سوال پوچھا اور خود اپنے پیر سمیٹ کر پیچھے ہو بیٹھی۔
"یہ تو بے وقوفی ہے۔"
"میں جانتی ہوں... مگر بے بس ہوں۔ انسان کی فطرت عجیب ہے۔ شاید یہ بھی نفرت کی ایک قسم ہو۔" دونوں کے درمیان طویل خاموشی حائل ہو گئی تھی۔ سجل نے بحث لپیٹنا چاہی۔
"ہاں... شاید..." صندلین نے اپنا تکیہ درست کرنا شروع کر دیا۔
"آپ اب کیا کرنے لگی ہیں۔"
"سونے کی کوشش کروں گی۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔
"نہیں..." سجل نے قطعیت سے انکار میں سر ہلایا۔ "اب آپ مجھے اپنی "وجہ" بتائیں گی۔"
"میں..." صندلین نے انگشت شہادت سینے پر رکھ کر استفہامیہ انداز اختیار کیا۔
"ہاں آپ..."
"رہنے دو... اس میں کچھ نہیں رکھا۔"

"اونہوں..... شیئر کرلینے سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ الجھن سلجھ جاتی ہے۔ دو سال سے ہمارا ساتھ ہے کیا اتنا اعتبار بھی قائم نہیں ہوا۔"

اس نے رٹو طوطے کی طرح اسی کے الفاظ من وعن لوٹا دیے۔

صندلین کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس خلفشاری کیفیت سے قطعاً "انجان سجل ہنوز منتظر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ صندلین کو پتا بھی نہ چلا کب زبان بے اختیار ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

"تم وہ لڑکی ہیں ہو کہ..... جو مرد کی غلامی کرے۔ تمہیں اوپر والے نے کسی بڑے اہم مقصد سے دنیا میں بھیجا ہے۔ تمہاری ذہانت، تمہاری کامیابیاں، تمہاری پرسنالٹی..... اوہ..... مجھے نصیحت کی کیا ضرورت ہے، تم خود اپنا تجزیہ کرو..... تصور کی آنکھ سے ایک منظر دیکھو..... ایک شوہر ریں ریں کرتے بچے..... ان کی جائز ناجائز ضروریات کو پورا کرتے تم خود کو بھلا دو گی۔ اس مقصد کو فراموش کر دو گی جس کے لیے اللہ نے تمہیں ہزاروں لڑکیوں سے ممتاز بنا کر بھیجا ہے۔"

"میں آپ کی بات سمجھتی ہوں ڈیڈ..... "ٹی کے نے بھاری لب و لہجے میں فرماں برداری کا مظاہرہ کیا۔ وہ اب معصوم سی ڈیڈی کا چہرہ اور قدم دیکھ کر چلنے والی لڑکی نہیں تھی۔ اس نے سی ایس ایس میں پورے پاکستان میں اول پوزیشن لی تھی۔

"اور یہ مرد..... اوہ..!" ڈیڈی نے حسب عادت جھرجھری لی۔ "یہ کامیاب عورت کو برداشت کر ہی نہیں سکتے۔ آجاتے ہیں اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کے لیے کبھی سامنے سے..... کبھی چھپ کر..... اور کچھ تیسرا رستہ اختیار کرتے ہیں۔ محبت کے نام کا جال پھینک کر..... پسندیدگی کی سند دکھا کر عورت کو رام کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں اتنی کمزور نہیں ہوں ڈیڈ..... "گزرے وقت نے ٹی کے کی آنکھوں کی قدرتی کرختگی کو بڑھا کر دو آتشہ کر دیا تھا۔ بے نیازی اور غرور دنیا میرے نیچے جیسی پختہ سوچ نے چہرے کے پتھریلے پن اور رعب میں اتنا اضافہ کر دیا تھا کہ بعض دفعہ وہ چنگیز خان کا لیڈی ورژن دکھائی دینے لگتی۔

کہانی صرف اتنی سی تھی۔ یونی ورسٹی کے زمانے کے کسی کلاس فیلو نے ایک خوب صورت، بکے کے ہمراہ پیش ہو کر ٹی کے کو پرپوز کرنے کی غلطی کر دی تھی۔ اس دوران وہ ایسے تبیٹھی رہی۔ جیسے ایسے فقیر کے سوال کو دیکھ رہی ہو جس کے بارے میں یقین ہو کہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔

بکے واپس کرنے کو اس نے اہمیت نہیں دی اور وہ بے چارہ اس قبولیت کو سارے مراحل طے ہو جانے کا گمان کر کے دوبارہ ڈیڈی کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور ڈیڈی تب بھی ایسے شاک میں نہ آتے کہ اگر وہ ڈیڈی سے اچانک اٹھ کر یہ کہہ دیتا کہ سر یہاں دستخط کر دیں۔ آج سے آپ کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد میری ہوئی۔ نہ جانے ضبط کے کن مراحل سے گزر کر اسے تشریف لے جانے کا کہا اور پھر سارے گھر کو اکٹھا کر کے اس خوش فہم کو بے نقط سناتے ہوئے اپنا وہی تاریخی لیکچر شروع کیا جو سب کو ازبر تھا، مگر ٹی کے اس پر یقین بھی رکھتی تھی۔

"اس طرح تو ہم کبھی بھی اپنی بیٹیوں کو نہیں بیاہ سکیں گے۔" امی نے بڑی مشکل سے یہ بدشگونی بھرے الفاظ ادا کیے۔ (خدا نہ کرے جو یہ گھڑی قبولیت کی ہو۔)

"اوہ..... "ڈیڈی نے اپنی چند بالوں والی مانگ ہاتھوں سے اجاڑ دی۔ "تمہاری سوئی شادی پر آکر ہی کیوں رک جاتی ہے؟"

"میں اس وقت سے ڈرتی ہوں جب ان کی زندگی کی گھڑی میں بارہ بج جائیں گے۔" امی نے دل پر ہاتھ رکھ کے یہ جملہ کہا۔

"نہیں بجنے بارہ..... تم اس بات کو کیوں نہیں سمجھ لیتی ہو کہ میری بیٹیاں عام لڑکیاں نہیں ہیں۔"

"اور میں آپ کو بتا بتا کر تھک گئی ہوں کہ لڑکیاں

ایورسٹ بھی سر کرلیں اور چاند پر بھی پہنچ جائیں، تب بھی لڑکیاں، ہی رہتی ہیں۔"

"تمہاری یہ روایتی گھسی پٹی سوچ۔۔۔ کون کہے گا تم ایک پڑھی لکھی عورت ہو۔"

"کوئی نہیں کہے گا۔ کیا فائدہ ایسے علم کا جو ایک شخص کو جہالت سے نہ روک سکے۔" امی کے جواب نے ان کے علم والا ہونے کی تصدیق کردی تھی۔

"تم۔۔۔ مجھے جاہل کہہ رہی ہو۔"

"ہاں بالکل۔۔۔ یہ زمانہ جاہلیت ہی کے طور تھے۔ اتنی ہی بری تھی شادی، گھر بسانا تو آپ نے خود نے کیوں کی۔۔۔؟" امی نے ہاتھ نچاکر کہا اور کھڑی ہوگئیں۔

"غضب خدا کا۔۔۔ اور باپوں کی راتوں کی نیندیں اڑ چکی ہیں کہ بچیوں کو اچھے بر مل جائیں۔ جہیز جوڑنے کی تگ ودو میں دن رات کی فکریں ہیں اور یہاں۔۔۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں اس لیے لڑکیاں نہیں بیاہنا چاہتا کہ ان کے جہیز پر پیسہ خرچ ہوگا۔" ڈیڈی کی آواز پھٹ گئی۔ "نامعقول عورت۔۔۔ امریکہ کی یونی ورسٹی میں پڑھنے بھیج رہا ہوں تمہاری بیٹیوں کو۔۔۔ اندازہ بھی ہے اس خرچے کا۔ اورٹی کے کو یہاں تک لانے میں جسمانی اور ذہنی محنت کی اور جو پیسہ لگا اس کا اندازہ ہے تمہیں۔۔۔ اس نمبر تین والی نے آسٹریا جاکر میڈیکل کی ڈگری لینی ہے۔ وہ کیا مفت میں ملے گی۔ جتنے پیسے میں ایک کی پڑھائی پر خرچ کررہا ہوں، اتنے میں لوگ چار بیٹیاں بیاہ دیتے ہیں۔"

ڈیڈی کی سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔ سب ہی چونکے، مگر سب سے پہلے پیش قدمی ٹی کے نے کی۔ اس نے کمر سہلائی پانی کا گلاس لبوں سے لگایا اور سب کو کھاجانے والی نگاہوں سے گھورا بھی۔۔۔

"آپ ہمیشہ ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں۔ جن سے ڈیڈی اپ سیٹ ہوتے ہیں۔ بلکہ آپ جان بوجھ کر انہیں اشتعال دلانا چاہتی ہیں۔ کیا ملتا ہے آپ کو یہ سب کرکے۔۔۔" ٹی کے باقاعدہ کمر پر دونوں ہاتھ لگاکر امی سے مخاطب ہوئی۔

"ہر بار وکیل بن کر دلائل دینے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ کیا میں نے آپ سے کہا کہ میں شادی کے لیے مری جاتی ہوں یا زینو نے یا زوہی نے۔۔۔؟"

اس نے باری باری دونوں بہنوں کو دیکھا اور نظر سب سے چھوٹی والی پر ٹک گئی، جو بالکل خاموشی سے اس بحث کو دیکھ رہی تھی۔

"یا پھر سب کو چھوڑیے آپ کی اس چھوٹی کو ہی گڑیاؤں کی باراتیں چڑھانے کا شوق ہے، اسی نے فرمائش داغ دی ہو کہ چلیں کسی کی نہ کریں، میری تو کریں یا کم از کم گراونڈ ہی بنادیں۔"

امی کا ششدر رہ جانا تو لازمی تھا۔ چھوٹی بھی ہونق ہوگئی۔ اس کا کیا ذکر۔۔۔ اور وہ بھی ایسے الفاظ میں۔۔۔ مگر اسے ہونق رہنے کی بھی زیادہ دیر اجازت نہ ملی۔ ٹی کے آج سب کلیئر کرلینا چاہتی تھی۔

"تم بولو زینو۔۔۔ تم نے کرنی ہے شادی؟"

وہ جارحانہ تیور لیے خود سے چھوٹی والی بہن کی سمت گھومی اور حملہ اتنا اچانک تھا۔ وہ پہلے خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی، اس نے سوال دہرایا اور انداز سے صاف ظاہر تھا، جواب حسب منشا ہونا چاہیے۔ زینو کا سر کسی معمول کی طرح دائیں بائیں ہل گیا۔ ساکت منظر میں گویا جان پڑگئی۔

ڈیڈی کا گرتا مورال بلند ہونے لگا۔

"اور تم زوہی۔۔۔" ٹی کے اس معاملے کو نپٹا دینا چاہتی تھی۔

"اوہ ربش! مجھے تو اسپیشلائزیشن کے لیے باہر جانا ہے۔" وہ باہر جانے سے پہلے ہی باہر والی ہوگئی تھی۔ لٹکتے ہوئے باب کٹ بالوں کو جھٹکا جیسے تمام بدخیالوں پر لعنت بھیجی ہو۔

امی دم سادھ کے رہ گئیں۔ ہاں، واقعی وہ کس لیے شوہر سے منہ در منہ ہورہی تھیں، جبکہ۔۔۔ جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے، ڈیڈی کا چہرہ پھر سے تمتمانے لگا تھا۔ بیٹیاں وہی سب تو کہہ رہی تھیں۔ جس کو کہا جاتا ہے کہ گویا۔۔۔ میرے دل میں تھا۔

امی کو شکست خوردگی سے بیٹھتے (ڈھے جاتے

ہوئے) زینو نے دیکھا۔ وہ غیر محسوس طریقے سے ان کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ ہاں اختلاف رائے اپنی جگہ ' مگر وہ ماں تو تھیں نا۔ ان کا ہاتھ تھام کر شاید وہ ڈھارس بندھانا چاہتی تھی۔ مگر امی نے ہاتھ کھینچ کر اپنی پیشانی پونچھی۔

"آپ ڈیفرنٹ قسم کی بیٹیوں کی ماں ہیں امی! آپ کو بھی ڈیفرنٹ ہونا چاہیے' ہم کوئی اوڈنری گرلز نہیں ہیں۔ جو ایسے سطحی خواب سجائیں۔ ہماری منزل کہیں اور ہے اور ڈیڈی ٹھیک کہتے ہیں۔ فضول کے خواب دکھانے والے یہ فضول لوگ... ہمیں راہ سے بھٹکانا چاہتے ہی اور ہم بہنیں کم از کم ان جھانسوں میں آنے والی نہیں ہیں' کیوں زینو....."

ٹی کے کو زینو کی خاموشی اور پژمردگی محسوس ہوئی۔

"ہاں.... آں.... ٹھیک بالکل ٹھیک...." اس نے کسی معمول کی طرح ہاں میں سر ہلایا۔ نگاہیں ضرور کمرے میں گردش کر رہی تھیں۔ مگر دھیان دور.... ایک پینٹنگ میں اٹک گیا تھا۔ ایک پینٹنگ یا دوسری.... نہیں.... پینٹنگ بنانے والے.... جینز کی ہزار بار کی دھلی پینٹ پر سفید شرٹ جس کے کف موڑ رکھے تھے۔ ایک کمانڈو جیکٹ.... مگر انداز بالکل ڈھیلا ڈھالا اس کے پریشان بالوں میں سفیدی کا بڑھتا تناسب.... سب سے نمایاں چیز اس کی حزن آمیز نگاہیں تھیں۔ جب وہ بغور سنتا تھا اور جب وہ کہیں کھو جاتا تھا اور نی کے کے لیے آنے والے رشتے تو اس کی ٹکر کے ہی نہ تھے۔

وہ پینٹر کا تعارف ڈیڈی سے کیسے کروائے۔ وہ ڈیڈی کے متوقع ردعمل سے بخوبی واقف تھی۔ وہ اس سے پوچھتے کہ وہ کیوں اس فضول کام میں وقت برباد کر رہا ہے۔ تب پینٹر خفا ہو جاتا۔

اور زینو سے پوچھتے۔ "اس شخص میں ایسا کیا دیکھا کہ متعارف کروانے کی ضرورت پیش آگئی؟"

زینو اگر سچ بولتی.... تو ڈیڈی خفا ہو جاتے۔ سو اس نے دونوں کو مصیبت سے بچایا اور خود کو خفا کر لیا۔ وہ باہمت نہیں تھی۔ لیکن نہ جانے کیسے اس بات کی خبر ڈیڈی کو ہو گئی جو اس نے خود سے بھی چھپا رکھی تھی۔

"خود کو دیکھو زینو.... کہاں تم اور کہاں وہ دو کوڑی کا پینٹر.... کیا دے سکے گا وہ تمہیں.... اسے پالو گی.... اتنی ہی رحم دل ہو گئی ہو تو یتیم خانے کے چار بچوں پر انویسٹمنٹ کر دو' ثواب بھی اور نقصان کا اندیشہ بھی نہیں۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔" ڈیڈی نے سخت تضحیک آمیز انداز سے سرزنش کی تھی۔

"ایسے غیر عملی انسان کو تو میں دیکھنا تک پسند نہیں کروں گا اور تم گزشتہ چھ ماہ سے اس سے مل رہی ہو۔"

"وہ بہت اچھی پینٹنگ کرتا ہے ڈیڈ!"

"تو تم خریدتی جاؤ.... قوت خرید ہے نا تمہارے پاس.... یا میں دوں پیسے.... تم نے مجھے زندگی کے سب سے بڑے صدمے سے دوچار کیا زینو....!" ڈیڈ غرق ہو جانے والے جہاز کے ملاح کی طرح سر گرا کے بیٹھ گئے۔ "میں نے تو تم لوگوں کو بڑی شاہانہ سوچ دے کر پروان چڑھایا تھا۔ یہ غلامی کی خو کہاں سے آگئی۔ میں اس تگ و دو میں ہوں کہ تم کو ایمبیسی میں جاب مل جائے اور تم اس پینٹر کے گھر کی دھوبن' باورچن' خانساماں بننے کے خواب دیکھ رہی ہو۔ اس نے تم پر دام ڈالا ہو گا۔ ورنہ میری تربیت میں جھول نہیں ہو سکتا۔"

"وہ تو جانتا بھی نہیں ڈیڈی کہ...." اس نے پہلی بار لب کھولنے چاہے۔

"وہ نہیں تم نہیں جانتیں کہ وہ تم کو کس مہارت سے الو بنا رہا ہے۔"

"نہیں ڈیڈی!" اس نے بدقت کہا۔

"میں نے یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کیے زینو...."

"آپ اس سے مل تو لیں ایک بار!" امی نے خوش گمانی کے روزن سے جھانک کر کہا۔

"میں مل چکا ہوں اس سے ایک بار۔ اور یہ زندگی بھر کے لیے کافی ہے۔ ایک دنیا کے طعنوں سے جیا ہوا میں.... لوگوں نے بیٹیوں کو پرایا مال کہہ کر حقارت سے منہ پھیرا.... بھلا کوئی بیٹوں پر بھی انویسٹ کرتا ہے۔

میں نے تب ہی عہد کر لیا تھا۔ میں اپنی بیٹیوں کو وہ چیز بنادوں گا کہ لوگ اپنے بیٹوں کو بھول جائیں۔ میرے خاندان میں ڈھیر۔ بڑا ہے لڑکوں کا۔۔۔ کیا اوقات ہے ان کی۔۔۔ معاشرے کے تیسرے درجے کے شہری ہیں وہ۔۔۔ چند ہزار روپلی کی تنخواہ۔۔۔ یا پھر تیسرے' دوسرے درجے کے کاروبار اور میری بیٹیاں۔۔۔ شیشے کے ٹھنڈے دفتروں کے دروازے چوکیدار دور سے آتا دیکھ کر کھڑے ہو کر کھول دیتے ہیں۔ نظر جھکا کر سلام کرتے ہیں اور وہ سب شیشے کے ٹھنڈے دروازے کے نام پر صرف باٹا۔۔۔ سروس کے اندر گھس سکتے ہیں میری بیٹیاں۔۔۔ میری ٹی کے کل اسٹیبلش منٹ کا وہ پرزہ ہو گی جو حکومتیں گرا دیتا ہے' حکومتیں بنا دیتا ہے۔ میری زوہی۔۔۔ مستقبل کی سرجن ڈاکٹر۔۔۔ اور تم۔۔۔ تمہیں کتنی زبانوں پر عبور حاصل تھا زینو۔۔۔ تمہارے لیے تو میں امریکی وزارت خارجہ سے کم سوچ ہی نہیں سکتا تھا اور تم۔۔۔"

"سوری ڈیڈی۔۔۔" زینو کا سر جھک گیا۔

"تو کامیاب عورتیں شادیاں نہیں کرتیں۔ یہ کس کتاب میں لکھا ہے؟" امی نے چمک کر کہا۔ بیٹی کی پژمردگی اور خواہش نے ان کی ہمت کو جوان کر دیا تھا۔

"یہ اس کتاب میں لکھا ہے جس کو تم نے کبھی نہیں پڑھا۔ کیونکہ تمہارے پاس وہ آنکھ ہی نہیں ہے۔" ڈیڈی کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا۔ امی زینو کے پیچھے پڑ گئیں۔

"اتنی آسانی سے ہار نہ مانو زینو!"

"ہار ماننے کی بات نہیں ہے۔ میں نے واقعی انہونی خواہش کر کے خود کو ڈیڈی اور بہنوں کی نظروں میں گرا دیا۔ ٹی کے اور زوہی کتنی فوکسڈ ہیں۔ بس میرا ہی پیر پھسل گیا۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" امی سے مایوسی دیکھی نہ جاتی تھی۔

"ڈیڈی کے خواب ہم ہی کو تو پورے کرنے ہیں۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں' ہم عام لڑکیاں نہیں ہیں۔ مجھ سے اچھی تو میری بہنیں ہیں۔ جو پریکٹیکل ہو کر سوچتی ہیں۔

پتا نہیں میں کیسے ڈیڈی کا دل دکھانے کا باعث بن گئی۔" وہ بات ختم کر کے کمرے ہی سے نکل گئی۔

اور امی یہ تک نہ کہہ سکیں۔ "انسان فطرت کی طرف بڑھتا ہی ہے۔ اگر اسے کوئی اچھا لگ گیا۔ یا وہ کسی کو بھا گئی تو یہ عین فطرت ہے۔"

مگر یہاں سن کون رہا تھا۔ زینو' ڈیڈی سے سوری کر کے ان فارمز کو پر کرنے میں لگ گئی۔ جو ڈیڈی کے خوابوں کو پورا کرنے کا راستہ بتانے لگے۔ ننھے سے کنکر نے جھیل کی سطح پر دائرے بنائے تھے۔ پل بھر کی ہلچل اور پھر وہی سکون و روانی۔۔۔ زندگی اسی نہج پر دوڑنے لگی۔ جو ڈیڈی کو درکار تھی۔

ٹی کے کی کامیابیاں۔۔۔ اور زینو کی کامیابیاں۔۔۔ سب کچھ ویسے ہی ہو رہا تھا۔ جیسے ڈیڈی نے سوچ رکھا تھا۔ وہ قابل فخر و قابل تقلید بے مثال بیٹیوں کے باپ تھے۔ پہلے وہ ان کی بیٹیاں تھیں۔ اب وہ ان کے باپ سے پہچانے جاتے۔ ٹی کے کے مزاج کا غرور' کرختگی' پختگی اور قطعیت وقت کے ساتھ اتنی بڑھ گئی کہ اب تو ڈیڈی بھی اس سے سوچ سمجھ کر بات کرتے۔ قدرتی چوڑا اور تندرست سراپا اب اور بھاری بھرکم ہو گیا تھا۔ اس سے نگاہ ملا کر بات کرنی مشکل تھی۔

زینو پہلے ہی ہلکے جسم کی مالک تھی۔ چار دن کے عشق سراب نے ہوا سے بھی ہلکا کر دیا۔ اپنی خود کی گاڑیاں دوڑاتیں' رعب جھاڑتی فائلوں پر دستخط فرماتیں ٹھنڈے شیشوں والے کمروں میں بیٹھی عورت نما لڑکیاں۔۔۔ یا لڑکی نما عورت نہ جانے کیا۔

پر ڈیڈی خوش تھے۔ امی نے حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا۔ بڑی مشکل سی زندگی تھی۔ مطلق العنان شوہر کی جی حضوری۔۔۔ اور افسر بیٹیاں۔۔۔ وہ خود کی پیدا کی ہوئی سے گھبرانے لگی تھیں۔ کبھی لگتا کامیابیوں کے یہ جھنڈے ان کے دل میں گڑے تھے۔ بعض زندگیاں سوالیہ نشان کی طرح ہو جاتی ہیں۔ کامیاب یا ناکام۔۔۔؟

ڈیڈی نے زندگی جیسے کسی محاذ پر کھڑے ہو کر گزاری تھی۔ اگلے والا مورچہ۔ کمانڈ اینڈ کنٹرول۔۔۔

مگر فتح کے اعلان کے بعد جب توپ کا منہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ جب سامان سمیٹ کر پیچھے آنا پڑتا ہے۔ تب فاتح ہونے کے باوجود دل میں اک کسک تو رہتی ہے۔ جن بیٹیوں نے ہمیشہ ان کی انگلی پکڑ کر دنیا دیکھی تھی۔ قدم اٹھائے تھے۔ اب وہ خود قوت فیصلہ کی مالک ہو گئی تھیں۔

جس کہکشاں کو وہ زمین سے.... وہ دور انگلی کر کے دکھاتے تھے۔ بیٹیاں اب اس کہکشاں کا حصہ بن چکی تھیں اور اب انہیں بمشکل دکھائی دیتی تھیں۔ بڑھاپے میں گردن زیادہ دیر اوپر کو ٹک نہیں پاتی' پھر نظر کیسے ٹھہرے۔

مصروف انسان کو دنیا دو آنکھوں سے بھی پوری نظر نہیں آتی۔ مگر ان کی فارغ البالی نے سوچ کے دریچے کھول دیے۔ کچھ سوال' کچھ حیرتیں.... سب کچھ تو ویسا ہی ہو گیا تھا' جیسا کہ سوچا' مگر یہ بے قراری کیسی تھی۔ کہیں کچھ گڑبڑ تھی' کچھ کمی.... جسے کچھ رکھ کے بھول گئے ہوں مگر کیا؟

وہ بھائی اور بہنیں جنہیں وہ کھوٹے سکے کی طرح فراموش کر چکے تھے۔ اب ان سے ملنے کو دل چاہتا تھا۔ امی اور ابا تو رہے نہیں.... مگر ان کا گھر جس میں ڈیڈی کا حصہ موجود تھا۔ وہاں جا کر بیٹھنا اچھا لگنے لگا۔ وہ تمام لوگ جنہیں وہ کسی گنتی میں نہیں لاتے تھے۔ اب گھر آ کر وہ صورتیں آنکھوں کے آگے سے ہٹتی نہیں تھیں۔

تب ہی ایک نئی چیز بھی ہوئی۔ انہیں بہن' بھائیوں کے گھر کی رونق بری طرح محسوس ہونے لگی۔ اپنے گھر کا سناٹا' مشینی زندگی' بے رنگ' بے آواز' جیسے دیوار پر لگی سینری جتنی مرضی خوب صورت و مکمل ہو۔ محض دیکھنے کی چیز ہوتی ہے اور ساکت منظر انسان کو جلد تھکا دیتے ہیں۔

اور ڈیڈی کے اندر کے شور اور تبدیلی کی کسی کو خبر نہیں تھی۔ بڑھاپے اور بیماریوں نے انہیں خاموش کر دیا ہے' اٹس نیچرل.... مگر ایک شور کا من سے اٹھ رہا تھا۔ یہ چہکتی آواز زوہی کی تھی۔ ساتھ ہی ایک اجنبی آواز.... امی کی آواز....

زینو ابھی آفس سے آ کر ذرا ستانے کو لیٹی تھی۔ مگر زوہی کہاں.... وہ تو وہاں آسٹریا.... اسپیشلائزیشن کے لیے گئی تھی۔ پھر کون.... مگر یہ زوہی ہی تھی۔ وہ بہت موٹی اور سرخ و سفید ہو گئی تھی۔ جینز کی پینٹ اور سفید بٹنوں والی شرٹ سے چھلکی پڑتی تھی۔ رنگین ہینڈ بیگ.... سرخ پمپ شوز اور بہت سرخ لپ اسٹک.... وہ بدلی بدلی تو لگ رہی تھی۔ انوکھی انجان اور دسترس سے دور بھی لگتی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر زور سے ہنس دی۔ گھر میں ٹی کے' کے علاوہ کسی کو قہقہے لگانے کی عادت نہیں تھی۔ زوہی تو کبھی ایسا قہقہہ نہیں لگاتی تھی۔ جس سے گردن پیچھے گر جائے اور حلق کا کوا.... اور عقل داڑھ تک دکھائی دینے لگے۔ تو کیا ہو گیا تھا زوہی کو....؟

"اور یہ تمہارے ساتھ کون ہے زوہی....!"

"اوہ یو زینو.... ایم آئی رائٹ...." بہت بارعب خوش گوار سی آواز' یہ کون تھا جو اسے جانتا تھا۔ سوال اس کے چہرے پر تحریر ہو گیا۔

"میں نے آپ سب لوگوں کا غائبانہ تعارف کروا رکھا ہے بھئی۔"

وہ بہت بااعتماد لگ رہی تھی۔ ٹی کے سے بھی زیادہ.... مگر ایسے اچانک کیسے....

"میں نے زارون سے کہا' میری فیملی کے سامنے شادی کا نام مت لینا۔ بڑی اینٹی میرج سوچ ہے سب کی.... ورنہ اسے تو پورا پاکستانی میرج میں انٹرسٹ تھا۔ مولوی صاحب اور گواہوں والی۔ میں نے کہا فیصلہ کر لو۔ میں چاہیے ہوں یا مولوی اور گواہ...."

"میں تو ڈر گیا تھا جی.... مجھ کو زاہین ہی چاہیے تھی۔" اس کی اردو مشکل سے دوچار تھی۔

"پھر غلط نام پرونانس کیا۔" زوہی نے تادیبی انگلی اٹھائی۔

"میں بالکل سا ہی بولا زاہین۔" اس نے اپنے غلط تلفظ کو اور پکا کیا۔

"اوہ گاڈ.... میری زندگی تو اس کا تلفظ ٹھیک کرانے

میں گزر جائے گی۔" زوہی نے اوپر دیکھا۔
"یہ کون ہے زوہی؟" ٹی کے آگے بڑھی۔ ڈیڈی سر جھکائے بیٹھے تھے۔ امی جو کب سے صوفے کے سہارے کھڑی تھیں۔ انہیں بھی سمجھ میں آنے لگا تھا۔
"میں آپ کا برادر ان لاء ہوتا ہوں۔" لہجے میں خوشی و فخر تھا۔ "آپ ٹی کے آپ یا ہے۔ یعنی تزمین خان۔" "اور وہ زینو' تزمین خان... اور وہ چھوٹی والی..."
"باس... ٹی کے چہرہ سرخ ہو گیا۔" یہ کیا بکواس کر رہا ہے' کون ہے یہ اور یہاں کیسے گھس آیا؟" ٹی کے زوہی کی طرف گھومی۔ جسے جواب کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ بیگ صوفے پر رکھ دیا۔ خود بھی بیٹھی اور زارون کو بھی آرام سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

☼ ☼ ☼

"میں آج تک فیصلہ نہیں کر سکی کہ زینی بجو کی شادی دھچکا تھا۔ اسپیشلائزیشن ادھورا چھوڑنا دھچکا تھا یا ڈیڈی کا سر جھکا کر مان جانا' کچھ نہ کہنا بلکہ پورے چاؤ' رسم و رواجوں کے ساتھ دھوم دھام سے زینی بجو کو اپنے ہاتھوں رخصت کرنا۔"
صندلین بول بول کر تھک چکی تھی۔ جیسے میلوں سے بھاگتی آئی ہو۔ تجل نے تیزی سے اس کے پیچھے تکیہ لگایا تو وہ اس پر ڈھے سی گئی۔ آنکھیں اب بھی خلا میں چکرا رہی تھیں۔ بہت سالوں بعد یہ موضوع آج اس طرح سے چھڑا تھا۔ جبکہ وہ اکیلے میں بھی جب کبھی سفر ماضی اختیار کرتی تھی' یہیں آکر بے دم ہو جاتی تھی۔ کیونکہ جو کچھ اس کے بعد ہوا' وہی تو صندلین خان کے دل کا کانٹا' راہ کا کانٹا... پیر کا چھالا بن گیا تھا۔ وہ اتنے سالوں میں ایک قدم نہیں بڑھا سکی تھی اور نہ ہی بڑھانا چاہتی تھی۔
"ان سب باتوں میں حسنین بھائی جان کا کیا قصور... کیا آپ نے بھی بڑی آپا... مطلب میڈم ٹی کے کی طرح شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے؟"
تجل کے لیے یہ سوال کرنا ہی مشکل تھا۔ کہاں وہ دن رات شادی ہو جانے کے لیے وظیفے کر رہی تھی اور کہاں... سوچ کا ایک رخ یہ بھی تھا۔
"نہیں تجل!" صندلین نے پوری آنکھیں کھول کر دیکھا۔ "میں قسمیں کھانے پر یقین ہی نہیں رکھتی اور شادی سے انکار دراصل فطرت سے براہ راست ٹکر لینے کے مترادف ہے۔"
"تو پھر..." تجل کو آج یہ گتھی سلجھانی ہی تھی۔
"پھر...؟" صندلین نے آنکھیں موندلیں۔ بند آنکھوں کے پیچھے یادوں کا جہان آباد تھا۔
"امی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا' روئیں کہ ہنسیں۔ ڈیڈی کی خاموشی اور سکون حیرانی کا باعث تھا۔ صندلین نے دس بار جھانک کر دیکھا۔ وہ سفاری سوٹ پہنے سنہری فریم کی عینک لگائے۔ زارون سے گفتگو میں مصروف تھے۔ زارون موٹا گورا' سرخ اور خوش مزاج... اس کی نگاہ صندلین پر پڑ گئی۔
"ارے ہیلو... تم چھپ چھپ کر کیا دیکھتی ہو۔" صندلین جھپاک سے اندر غائب ہو گئی۔ اس کے دیکھنے کے لیے سارا گھر تماشا بن گیا تھا۔
زینی امی کو ہنی مون اور نکاح کے فوٹوز دکھا رہی تھی۔
امی کے منہ سے ہوں ہاں کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا تھا۔ تصاویر پر عنوان نہیں لکھے ہوئے تھے۔ مگر اندھا بھی بتا تا یہ خوشی و آمادگی' آسودگی کے مناظر تھے۔ ہنستے مسکراتے چہرے اور آنکھیں...
صندلین نے سوچا۔ وہ ناخوش بھی نہیں ہے۔ ہاں وہ خوش ہے۔ اس نے البم اپنی گود میں رکھ لیا۔ انداز میں کچھ جھجک سی تھی۔ تزمین آپا اس سے اتنی بڑی تھیں کہ وہ انہیں اپنی اماں کہہ کر بھی متعارف کروا سکتی تھی۔
پھر تزمین آپو... اور زینی بجو ہم عمر تھیں۔ بچپن سے ان کی دلچسپیاں اور باتیں ایک تھیں۔ وہ ایک دوسرے کی راز دار تھیں۔ دوست نما بہنیں... صندلین سب سے چھوٹی تھی اور اس کا کوئی جوڑی دار نہیں تھا۔ وہ شروع سے امی سے قریب تھی۔ اس نے

دل کی شدید ترین خواہش کے تحت کسی کو ڈھونڈا جس کے ساتھ مل کر وہ تصاویر پر تبصرہ کرسکے اور جی بھر کے دیکھے۔

سامنے تزئین آپو تھیں۔ ساکت جامد۔۔۔ جیسے کسی نے ان کو مجسمہ کردیا ہو۔ جب تین بار پکارنے پر بھی متوجہ نہ ہوئیں تب وہ اٹھ کر آئی۔

"آپو جی۔۔۔!" اس نے انہیں چھوا۔ "کہاں کھو گئیں، آئیں البم دیکھتے ہیں۔ بڑے مزے کا ہے اور آپو جی۔۔۔ اس بم کی طرح تھیں جسے چھوٹے جانے پر ہی پھٹنا تھا۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے اسے اتنا زور کا جھٹکا دیا کہ وہ بمشکل گرنے سے بچی اور دوسرے ہاتھ سے البم جھپٹ کر اتنی طاقت سے مارا کہ وہ دروازے سے ٹکرا کر زمین بوس ہوگیا۔ جلد تک کھل گئی۔ میں ہکابکا رہ گئی۔"

صندلین کا چہرہ یوں ہوگیا جیسے یہ سب ابھی ابھی وقوع پذیر ہوا ہو۔

"اور یہ تزئین آپو کی توڑ پھوڑ کا نقطہ آغاز تھا۔

ذہین اور زارون کی آمد۔۔۔ شرف قبولیت کے بعد سے شادی کے دن اور رخصت ہونے کے مرحلے تک وہ ایسی ساکت اور خاموش تھیں۔ جیسے چابی والی گڑیا۔ جس کو جو کہا جاتا وہ کرلیتی۔ امی نے اس رونق کے خواب سالہا سال دیکھے تھے۔ وہ اپنے سارے ارمان نکال لینا چاہتی تھیں۔

ایک سے ایک لباس و آرائش۔۔۔ تزئین آپو کو جو کہا جاتا کرلیتیں، جو پہنایا جاتا۔ پہن لیتیں۔ مگر ان کی مہر سادھ خاموشی کو کوئی اور محسوس کرتا نہ کرتا، مجھے صاف پتا لگتی تھی۔

وہ عجب حسرت و غم ناکی سے ذہین بجو کو تکتیں۔ تکتی چلی جاتیں۔ گونگی تو ہو چکی تھیں۔ بہرہ پن بھی لاحق ہوگیا۔ دس بار پکارنے پر بھی متوجہ نہ ہوتیں۔ اس پر آنکھوں کا خالی پن اور اجنبیت۔۔۔

"آپ کو کیا ہوگیا ہے آپو!" میں ان کے کمرے میں سونے لگی تھی۔ یوں ہی آنکھ کھلی تو دیکھا وہ بیڈ پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی ہیں۔

"اس سے کہو، ادھر نہ آیا کرے۔"

"کس سے۔۔۔؟" میں خاک نہ سمجھی۔

"ان دونوں۔۔۔ دولہا، دلہن سے۔۔۔"

"اوہ۔۔۔!" میں چونکی۔ میرا دل تو کرتا تھا۔ ذہین بجو اور زارون بھائی ہمارے گھر پر ہی رہیں۔ کہیں نہ جائیں اور تزئین آپو کہہ رہی تھیں۔

"کیوں آپو جی۔۔۔؟" میں نے نرمی سے پوچھا اور کیوں کا جواب بہت خطرناک نکلا۔ نہ جانے یہ کب کا ابلتا طوفان تھا۔

"اگر یہ ہی سب کرنا تھا تو اتنے سال ہمیں بے وقوف کیوں بنایا۔ کہاں گئے وہ بڑی کامیاب عورت کے خواب، جب وہ پڑھائی کو آگ لگا کر محبت کی پینگ جھولنے لگی۔ دھوکا کیا ہے ڈیڈی نے ہمارے ساتھ۔۔۔ نہیں میرے ساتھ۔۔۔ یا پھر میں ہی بے وقوف بن گئی۔ ڈیڈی کو برا لگے گا۔ سب میرا مذاق اڑائیں گے۔ میں سب کی نظروں سے نہ گر جاؤں۔ نافرمان نہ کہلاؤں اور میں نے محبت کو چھوڑ دیا، حالانکہ وہ پوچھتا رہا سالوں تک۔۔۔"

"اب آپ کو میری پینٹنگز اچھی نہیں لگتیں۔ آپ نے انہیں خریدنا کیوں چھوڑ دیا؟ اور چلیے چھوڑیے خرید و فروخت کو۔۔۔ وہ تو میں آپ کو ویسے بھی دے دوں گا۔ لیکن آپ نے ایگزیبشنز میں آنا بھی چھوڑ دیا۔ ایسے راتوں و رات تو آرٹ سے دلچسپی ختم نہیں ہوسکتی؟"

"میں اس سے یہ بھی نہ کہہ سکی۔" دلچسپی ختم تو کروائی جاسکتی ہے نا۔

ڈیڈی نے میری آنکھوں سے خواب نوچ ڈالے۔ اپنی انا کی تسکین کے لیے۔۔۔ اپنے سو کالڈ نظریات و افکار۔۔۔

"جب یہ ہی سب کرنا تھا تو۔۔۔ کیوں آخر کیوں؟" آپو نے ہاتھ مار کے سائیڈ لیمپ دور گرایا۔ پانی کا جگ کرچی کرچی ہوگیا۔ ٹیبل کلاک کی سوئی بارہ پر آکر بند ہوگئی تھی اور الٹے منہ سے پڑی تھی۔

"ایسے نہ کریں آپو۔۔۔ ہم ایسا کرتے ہیں۔" اسے

آئیڈیا سوجھا۔ "ہم ان سے جا کر ملتے ہیں۔"

"اس سے کیا ہو گا؟" آپو نے بری طرح چونک کر دیکھا۔ انداز چیلنج کرتا ہوا تھا۔

"نہیں کہیں گے۔ ہمیں دوبارہ سے ان کی پینٹنگز اچھی لگنے لگی ہیں۔"

میں نے اپنے تئیں سادہ ساحل پیش کر کے معاملہ نپٹا دیا۔

مگر یہ کیا؟ آپو نے تو پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ انہیں سنبھالنا دوبھر، سارا گھر اکٹھا ہو گیا۔

"ساری دنیا بھی اکٹھی ہو کر میرے دل کی دنیا کو دوبارہ نہیں بسا سکتی۔" وہ روتی جاتیں۔

"کیا فرق پڑتا ڈیڈی.... ہر مہینے نوٹوں کا ڈھیر بینک میں سڑنے گلنے کے لیے پہنچ جاتا ہے۔ آپ کس چیز سے ڈراتے تھے۔ میں خرچ کر دیتی۔ اپنے شوہر اور بچوں پر ہی خرچ کرتی نا۔"

آپو کا سوال اتنا سادہ تھا۔ اتنا آسان۔ جیسے کوئی مشاق گول گھوم کر بند آنکھوں سے خنجر سینے کے اندر اتار دے۔

"میری کمائی کا اس نے اچار ڈالنا تھا؟ آپ کو پتا ہے وہ کسی کاغذ پر اپنا برش بھی صاف کرتے ہوئے لکیریں ڈال دے تو وہ بھی لاکھوں کا بکتا ہے۔"

ڈیڈی کا سر جھکتے جھکتے سینے سے چپک گیا تھا اور امی کی آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔

"ہم جاتے ہیں نا پینٹر کے پاس.... " مجھے بس اجازت درکار تھی۔

"کیا کریں گے جا کر؟" آپو کا انداز یوں تھا جیسے میں نے انہیں گالی نکال دی ہو اور وہ میرا گریبان تھام لینا چاہتی ہوں۔ پھر اگلے ہی لمحے اشتعال کی چڑھی ندی ڈھل گئی۔ آنکھیں، گردن، سر، کندھے جھک گئے۔ شکست، صدمہ، نارسائی۔

"اس نے منظر پینٹ کرنا چھوڑ دیے ہیں۔ وہ اب سرخ گلاب بھی پینٹ نہیں کرتا۔ ایسے گلاب جن سے خوشبو آنے لگتی تھی۔ وہ اب تصویریں بناتا ہے بچوں کی، اپنے بچوں کی۔"

"او خدا!... میں تو میں.... امی اور ڈیڈی تک کو یوں لگا جیسے کسی نے پہاڑ سے دھکا دے دیا ہو۔

تو کہانیاں ایسے اچانک بھی ختم ہو جاتی ہیں۔ ہیپی اینڈ کے بغیر....

"اسے سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔" ٹی کے نے ڈیڈی کو قطعیت سے کہا۔

"بس کرو تزئین.... میری بچی پاگل نہیں ہے۔"

امی تڑپیں۔

"اسے کونسلنگ کی ضرورت ہے امی.... ورنہ پاگل پن دور نہیں۔" ٹی کے کا لہجہ روکھا اور غیر جذباتی تھا۔

اس بات کو کسی نے نہیں مانا۔ مگر پھر ایک دن میں خود امی اور ڈیڈی کے سامنے روتے ہوئے یہی مشورہ لے کر پہنچ گئی۔

"آپو کو دورے سے پڑنے لگے تھے۔ وہ پاگل ہونے لگی تھیں۔ سب سے زیادہ حالت تب غیر ہوتی جب ذہین بجو آتیں۔

"آپ بجو سے کہہ دیں۔ وہ اس طرح سے یہاں نہ آیا کریں۔ بلکہ آیا ہی نہ کریں۔" میں نے امی سے کہہ دیا اور امی دھک سے رہ گئیں۔ انہیں ذہین کا آنا.... اس کا بناؤ سنگھار.... اور زارون اتنا اچھا لگتا تھا کہ حد نہیں....

امی تو نہ کہہ سکیں۔ یہ کام ایک روز تزئین آپو نے خود ہی کر لیا۔

"کیوں آتی ہے تو یہاں.... اپنا بناؤ سنگھار دکھانے کے لیے.... ہے ناں.... تو اسی کو میں نوچ ڈالوں گی۔" تزئین آپو ذہین بجو پر یوں پل پڑیں کہ بچاؤ کی کوئی صورت نہ بچی۔

"شرم نہیں آتی...." وہ چلا رہی تھیں۔ "اندازہ بھی ہے کہ ان سب چیزوں کو دیکھ کر مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ تو بھی تو ڈیڈی کے ماننے والوں، ہاں میں ہاں ملانے والوں میں شامل تھی۔ اور تو نے ہی راستہ بدل لیا۔ جب یہی کرنا تھا تو میری منزل کیوں کھوٹی کی۔ یاد نہیں اپنے الفاظ اور وہ تضحیک آمیز انداز.... بول

جواب دے۔"

جواب کے جنون نے زینو کو پاگل کر دیا تھا۔ پھر زوہی کیسے بولتی اس میں تو کراہنے تک کی سکت نہیں تھی۔ امی جیسے مر گئی تھیں۔ ڈیڈی مجرموں کی طرح اور اپنی عمر سے بڑے دکھتے تھے یہاں تک کہ ٹی کے سرد چہرے پر بھی فکر کی لہریں گردش کرنے لگیں۔

یہ تماشا بہت دنوں تک چلا....

ذہین بجو.... اور زارون بھائی چھٹیاں ختم ہوتے ہی روانہ ہو گئے۔ اسپشلائزیشن کو بھاڑ میں جھونک کر بجو ننھے موزے ٹوپے خریدنے میں مگن ہو گئیں اب حالات کچھ بہتر ہو سکتے تھے۔ مجھے ایسا لگنے لگا۔

آپو جی کو جو ہسٹریا کے دورے پڑتے تھے ان میں بھی کمی آنے لگی۔ وہ نارمل ہونے لگی تھیں۔ مگر اب وہ عجیب سی ہو گئی تھیں۔ بدتمیز اور نافرمان بھی لگتیں بالخصوص ڈیڈی کے ساتھ ان کا رویہ بہت تکلیف دہ تھا۔

کہاں کی وزارت خارجہ کی ملازمت اور زبانوں کا عبور.... ڈیڈی ہی کو اذیت پہنچانے کے لیے آپو جی نے پہلے کسی تیسرے درجے کے پرائیویٹ اسکول میں پڑھانا شروع کر دیا۔ ڈیڈی کے تڑپ جانے پر منت سماجت پر کسی خیراتی ادارے کے ورخت اسکول میں مفت پڑھانے لگیں اور رو کو مجھے....

وہ ڈیڈی کو کلسانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں اور ڈیڈی اللہ جانے اسی صدمے یا پھر کسی پچھتاوے سے دنوں میں گھل کر ختم ہو گئے۔ یہ تو بہت بعد میں میرے سمجھانے امی کی منتوں ترلوں پر جا کر کیڈٹ اسکول کی جاب شروع کی۔

اور سب کو لگتا تھا وہ نارمل ہو گئی ہیں۔ مگر اس میں بہت وقت لگا۔

بہت سی ایسی باتیں بھی تھیں جو صرف میں جانتی تھی۔ آپو جی چھپ چھپ کر کسی تصویر کو دیکھا کرتی تھیں۔ میں نے سوچا وہ اس پینٹر کی ہو گی۔ تالے میں رکھتی تھیں۔ محبت سے دیکھتی نہیں ہاتھ پھیرتیں جیسے دل میں اتارنا چاہتی ہوں میں نے بڑی تگ و دو

سے نکال لی۔" دیکھوں تو کیسا تھا وہ پینٹر۔" اور پتا ہے سجل میں دنگ رہ گئی۔

وہ تو ذہین بجو کی سرخ جوڑے میں دلہن بنی تصویر تھی جس میں بلا کی حسین لگ رہی تھیں۔ نجانے یہ محبت کا کون سا رخ تھا یا پھر وہی کہ انسانی نفسیات بڑا مشکل مضمون ہے۔

ترمین اپیا زندگی بھر ڈیڈی کی بیٹی رہیں۔ میں امی کی۔

پھر یہ دونوں زوہی اور زینو.... اچھی پکی والی سہیلیاں تھیں۔ اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا۔ لباس سب ایک سے...." صندلیں کھو سی گئی۔ سجل منتظر رہی کہ وہ آگے بھی بولے۔

"پھر....؟"

"پھر.... صندلین زخمی سا مسکرائی۔" پھر کیا بس یہی کہانی ہے۔"

"مگر اس سب کا اس بات سے کیا تعلق کہ آپ کو شادی ہی نہیں کرنی۔"

"ارے...." صندلین سیدھی ہوئی "اب بھی نہیں سمجھیں۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد میں دوبارہ کیسے آپو جی کو اسی مصیبت میں مبتلا کر سکتی ہوں۔"

"اوہ...." سجل چونکی "آپ کا کہنے کا مطلب ہے انہیں تکلیف ہو گی۔"

"ہاں بہت زیادہ...."

"تو کیا آپ ساری عمر شادی نہیں کریں گی؟"

"پتا نہیں.... میں آپو کو اس حال میں دیکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" صندلین نے بیڈ سے اتر کر سوفٹی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں۔ کافی رات ہو گئی تھی۔ صبح آنکھ نہیں کھلنی تھی۔

"لیکن حسنین بھائی کی امی تو ان کی شادی کے لیے بہت زور دے رہی ہیں۔"

صندلین نے بے ساختہ سر اٹھایا۔ "تمہیں کس نے بتایا؟"

"واک پر گئے تھے میں اور اماں جی.... وہ وہیں ملیں، اس لڑکی کو جی بھر کے کوسنے دے رہی تھیں۔ جس

نے ان کے لڑکے کو پیچھے لگا کر چھوڑ دیا۔ کہتی تھیں ایک بار مل جائے ناں تو... زبردستی نکاح پڑھا دیں مگر اس سے پہلے اپنے ہاتھوں سے پیٹیں گی بھی جی بھر کے۔"

"ان کے ساتھ کون تھا؟" صندلین کا لہجہ ٹھنڈا ٹھار ہو گیا۔

"کون ہوتا... حسنین بھائی خود ہی تھے۔"

"کچھ بولے نہیں۔" اسے اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

"اپنی امی کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ آپ کسی کی اولاد کو کیسے پیٹ سکتی ہیں۔ آپ جہاں کہیں گی وہاں شادی کرنے کو تیار ہو گیا ہوں میں... مگر آنٹی جی ایک بار ملاقات اور سبق سکھانے پر ہی زور دیتی رہیں۔"

سجل کا لہجہ اور چہرہ دونوں متبسم تھے۔

"اور امی... امی خاموش رہیں۔" صندلین کو اہم ترین بات یاد آئی۔

"ہاں جی... مگر رنگ اڑ گیا تھا۔ فوراً" پانی کی بوتل منہ سے لگا کر خالی کر دی۔ پھر طبیعت خراب ہونے کا کہہ کر گھر آنے کی اجازت لے لی۔ ہاں آنکھوں ہی آنکھوں میں حسنین بھائی کو کہا کہ ان کی اماں کو پتا نہ چلے کہ وہ لڑکی ان ہی کی بیٹی ہے۔"

"تم نے مجھے بتایا ہی نہیں..." صندلین نے کہا۔

"کیا بتاتی کہ آپ کے قتل کا منصوبہ بنا رہی ہیں وہ اماں جی جن سے اب انڈا بھی نہیں چھلتا... ہاہاہا... خنجر یا تلوار کیسے اٹھائیں گی۔ ویسے ان کی الزام لگاتی نگاہوں کے وار سہنا بھی مشکل تھا۔"

سجل کے انداز میں شوخی اور ہلکا پن نمایاں تھا۔ جیسے سرا ہاتھ لگ گیا ہو کوئی حل... کچھ تو کیا جا ہی سکتا تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں گم ہو گئی۔ صندلین نے واش روم کی طرف شکستگی سے قدم بڑھائے۔

"اوہ...!" بری طرح چونک کر اپنے پیروں کو دیکھا جہاں الٹی چپلیں پھنسی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"ایک لائحہ عمل... ایک ہلکا سا خاکہ جہاں **سجیلہ** بانو کے ذہن میں چکرانے لگا تھا وہیں صندلین خان بھی باقاعدہ پلان بنا چکی تھی۔

اس نے فیصلہ کر کے فون کان سے لگایا "ارمان کو بھیجو۔"

اگلے منٹ میں ارمان حاضر تھا۔

"بیٹھو..." اس نے کرسی کی سمت اشارہ کیا صندلین نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔ خوش شکل تو تھا۔ پڑھ بھی رہا تھا۔ وہ اسے بچپن سے جانتی تھی۔ اس کے ابا ڈیڈی کے زمانے سے ان کی گاڑی چلاتے تھے۔ شرافت و کردار سامنے تھا۔ صندلین نے اسے پہلو بدلتے دیکھا تو چونکی وہ بھی حیران پریشان۔ کیا سامنے بٹھا کر دیکھنے کے لیے بلایا تھا۔

"اوں..." صندلین نے سر جھٹکا۔ "تمہاری کچھ شکایتیں موصول ہوئی ہیں۔"

"میری؟" اس نے بے یقینی سے ہاتھ سینے پر رکھا۔

"ہاں... کافی عرصے سے... مگر میں اگنور کرتی رہی۔ لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ وقت آگیا ہے کہ باز پرس کر لی جائے۔"

"جی... جی پوچھیے۔" وہ سٹپٹایا تھا۔ مگر ہمت کر کے کہہ دیا۔

اس کا ذہن صاف تھا۔ غلطی نہیں ہو سکتی غلط فہمی ہو گی۔ کیونکہ وہ سمجھ دار اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے والا انسان تھا۔ تین چھوٹی بہنیں تھیں ابا اب بڑھاپے کے باعث زیادہ محنت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ پڑھنا بھی چاہتا تھا۔ ابا کی صحت کے پیش نظر اکثر ان کی جگہ گاڑی سنبھالتا اور چھوٹے موٹے کام ساتھ ساتھ کرتا۔

"**سجیلہ** کہتی ہے "تم اسے دیکھتے ہو تو دیکھتے چلے جاتے ہو۔"

"کیا...؟" (تو اسے پتا تھی یہ بات... مگر۔)

"مسکراتے بھی ہو۔" صندلین کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

"ہاں۔ اسے دیکھتے ہی دل میں اتنی خوشی بھر جاتی ہے کہ لب خود بخود مسکرانے گنگنانے لگتے ہیں۔"
اس نے سر جھکا کر دل میں اعتراف کیا۔
"فرماں برداری ایسے کرتے ہو جیسے حکم کے غلام ہو۔"

"اسے دیکھا نہیں آپ نے.... کسی ملکہ جیسی نخریلی اور حاکمانہ مزاج کی حامل ہے۔ میں بادشاہ بھی ہو جاؤں، تب بھی فرماں برداری کرنا پڑے گی۔"
وہ اب بھی اس کی شان کے بارے ہی میں سوچ رہا تھا۔ لہٰذا غلامی کے الزام پر گردن اور نیچے کر لی۔
"مگر اس کے ساتھ ہی بولتے بہت ہو۔ ہر بات کا جواب دینا فرض ہے جیسے تم پر۔" اس نے اس الزام پر بے ساختہ سر اٹھایا تھا۔
"یہ تو میں ان ہی کی وجہ سے کرتا ہوں۔ چپ رہوں تو جواب دینے پر اکساتی ہیں۔ جواب دوں، تب بھی انہیں تپ چڑھ جاتی ہے۔ میں تو بس وہی کرتا ہوں جو وہ کہہ دیں۔ آپ یقین کریں۔"
"ہوم...." صندلین نے ہنکارا بھرا۔ "تو کیا میں پوچھ سکتی ہوں اس درجہ تابع داری کس وجہ سے ہے؟"

"جی ہاں.... میرا مطلب ہے۔ جی نہیں۔" یہ پرچے کا سب سے مشکل سوال تھا۔
"مجھے علم ہے تمہارے دل میں اس وقت کیا چل رہا ہے۔ لہٰذا اب تم منہ بند نہیں رکھ سکتے۔ شروع ہو جاؤ۔ زندگی میں ایسے موقعے قسمت والوں کو ملتے ہیں جب کوئی پوری توجہ سے آپ کا حال دل سننے کو تیار ہو۔"
صندلین کے لہجے اور انداز میں بے پناہ سنجیدگی اور ایک تنبیہہ آ گئی تھی۔ ارمان نے بس ایک منٹ کا توقف کیا۔
"وہ مجھے اچھی لگتی ہے۔"
"اسے پانے کے لیے کیا کر سکتے ہو۔"
"اپنے آپ کو کھو سکتا ہوں۔" وہ کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گیا۔ یاد ہی نہ رہا کس کے سامنے بیٹھا ہے۔ پھر صندلین کی پھیلتی آنکھیں دیکھیں تب چونکا وہ۔
"خیر....!" صندلین نے اپنا پین ٹیبل پر لاپروائی سے ڈال دیا۔ "یہ ایک احمقانہ جواب ہے۔"
(ارمان نے تھوک نگلا۔ خود کو بمشکل کہنے سے باز رکھا۔ محبت ایسی چیز ہے جو بیک وقت حماقت اور عقل مندی کا مظہر ہوتی ہے۔ صندلین نے اسے کوئی محبت کی ماہیت پر پیراگراف لکھنے کو تھوڑی کہا تھا)
"اب اگر میں تم سے کہوں کہ تم نے مجھے جتنے سوالوں کے جواب دیے، وہ میں پہلے سے جانتی تھی تو؟"
ارمان نے بے ساختہ نگاہیں چرائیں۔
"میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں پھر ہم بات کو آگے بڑھائیں گے۔"
پھر صندلین نے منگنی، شادی، سجل کی جذباتی کیفیت اس کا غم صدمہ، غصہ، انتقام، عہد، وظیفہ سب گوش گزار کر دیے۔
وہ حیرت کی تصویر بنا سنتا رہا۔
"کوئی اعتراض؟" صندلین نے اچانک قصے کو فل اسٹاپ لگا کر پوچھا وہ بری طرح چونکا۔
"اب ہمیں یہ کرنا ہے کہ اسے اس بات کا یقین دلانا ہے کہ وہ سب جو ہوا اس لیے ہوا کہ قدرت نے تمہارے لیے۔ کچھ بہت ہی اچھا سوچ رکھا تھا۔ اللہ نے تو دراصل تمہاری راہیں ہموار کی ہیں۔"
"جی.... جی بالکل۔" ارمان پرسکون ہو کر پوری طرح متوجہ ہوا۔
صندلین چند لمحے کے لیے سوچ میں ڈوبی، ادھر وہ سوچنے لگا۔ روزانہ ایک بوڑھی فقیرنی کو پانچ کا سکہ دیتا تھا اور وہ بڑے جذب سے دعا دیتی تھی۔
"اللہ تیرے دل کی مراد پوری کرے جسے تو چاہے، وہ بھی تجھے چاہے۔ چاند سورج کی جوڑی کہلائے۔ دے جا سخی کوئی دو چار آنے...."
اور وہ تو پورے پانچ آنے دیتا تھا۔ تو اللہ کے نام پر دینے سے دعائیں قبول ہو جاتی ہیں جلد یا بدیر.... اس کے یقین پر پختگی کی ایک اور مہر لگی۔
دوسری طرف صندلین نے بولنا شروع کیا تھا۔ وہ

بہت بتا تلا بول رہی تھی جبکہ ارمان کی آنکھیں پھیل کر کانوں تک بڑی ہو گئیں۔ منہ بھی کھل گیا۔ صندلین کی نظروں سے یہ ہونق پن چھپا نہیں رہا۔ وہ جانتی تھی وہ عجیب بات کر رہی ہے۔

مگر ساتھ میں یہ بھی جانتی تھی۔ یہ پلان ہنڈرڈ پرسنٹ کام کرے گا۔ اور اسی یقین کو دیکھتے ہوئے ارمان نے سر اثبات میں ہلانا شروع کر دیا۔

☼ ☼ ☼
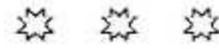
ایک ہفتے پورے ایک ہفتے یعنی سات دن سے روزانہ صندلین خان کی کلاس لگ رہی تھی۔ صبح ناشتے پر۔۔۔ (شکر لنچ کے وقت وہ آفس ہوتی تھی) تو اس کی کسر شام کی چائے پر پوری کی جاتی۔

سجل کے تعلقات سخت کشیدہ تھے صندلین نے صاف کہہ دیا تھا۔

"خبردار جو اپنی صورت بھی مجھے دکھائی تو۔۔۔" سجل نے صورت غائب کرنے کی کوشش کی مگر امی اور آپو جی راہ میں حائل ہو گئیں۔ سجل نے تو کارنامہ انجام دیا تھا۔ وہ گتھی جو کسی سے نہیں سلجھتی تھی۔ اسے حل کرنے میں مددی تھی۔ اسے تو اکیس توپوں کی سلامی دینی چاہیے تھی۔ ساتھ ہی تمغۂ شجاعت بھی۔۔۔ جبکہ صندلین کے خیال میں وہ اس قابل تھی کہ سلامی کے وقت اسے خود بھی کسی توپ کے آگے باندھ دینا چاہیے۔

رات کے کھانے کے بعد امی اور تزئین آپی اس کے کمرے میں آ گئی تھیں۔ سجل بھی دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔

تزئین آپی۔۔۔ اس کے عین سامنے لیپ ٹاپ سیٹ کر کے نجانے کیا دکھانا چاہتی تھیں۔ ساتھ ساتھ خفا انداز و لہجے میں یقیناً" وہ صندلین ہی کو سخت سست سنا رہی تھیں۔ امی کی خاموشی ان کے آپو جی سے متفق ہونے کا مظہر تھی۔

تب ہی اس نے اسکرین پہ ذوہین خان یعنی ذوہی بجو کو نمودار ہوتے دیکھا۔ ان کا مسکراتا بہت گورا اور بہت موٹا سراپا۔۔۔ اور لبوں پر لگی سرخ لپ اسٹک' منکر نکیر کی طرح ان کی دونوں بیٹیاں امی اور ڈیمی دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ نگاہ ملنے پر ذوق و شوق سے ہاتھ ہلانے لگیں۔

"ہائیں۔۔۔!" اس نے چونک کر آپو جی کو دیکھا۔ اس کے حساب سے تو ذوہین اور تزئین کا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانا دس سال پہلے ختم ہو گیا تھا۔

"نانو جانی۔۔۔ خالہ جانی' زینو خالہ!" مائیک کلیئر ہونے پر کمرہ چہکتی آوازوں سے بھر گیا۔ امی اشتیاق کی ماری آگے سرک آئیں۔

صندلین نے چونک کر تصدیقی انداز سے تزئین آپی کو دیکھا۔ "زینو خالہ۔۔۔!" اور زینو خالہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ہونٹوں سے جوڑ کر بچوں کے ہوائی بوسے لے رہی تھیں۔

"یہ کب ہوا؟" اس نے باری باری سب کو دیکھا تھا۔

(سجل کے چہرے پر۔۔۔ "اب کہاں جائیں گی بچ کر۔۔۔" جیسے تاثرات تھے)

"بس وہ ڈیڈی کی سوچ تھی۔ میں انہیں غلط نہیں کہتی۔ مگر انسان فطرت سے انکار نہیں کر سکتا۔ شادی اللہ تعالیٰ کا نظام ہے۔ زندگی کو آگے بڑھنا ہے۔ دنیا کو آگے بڑھنا ہے۔ دنیا کے ہر مذہب اور معاشرے میں شادی رائج ہے اور مسلمانوں کو تو لازمی کرنی چاہیے ورنہ امت مسلمہ بڑھے گی کیسے۔۔۔؟"

ذوہین بجو نے اپنے پانچویں بچے کے منہ میں فیڈر ٹھونستے ہوئے فکر مندی کا مظاہرہ کیا۔

"اور شادی کی بھی ایک عمر ہوتی ہے۔ آج میری بیٹیاں نو برس کی ہیں۔" ذوہی نے دائیں بائیں گردن گھما کر امی ڈیمی کو دیکھا۔

"یس مام۔۔۔" دونوں ہم آواز ہو کر بولیں۔

"اور آج سے ٹھیک نو برس بعد میں نے ان کی شادی کر دینی ہے۔"

"واٹ۔۔۔؟" وہ تو وہ امی اور زینو بھی اچھلیں۔۔۔ سجل تو پہلے اعلیٰ و ارفع خیالات جاننے کے بعد مرید ہو

چکی تھی۔ اور مریدوں کا کام صرف سر دھننا ہوتا ہے۔
"اور منگنی سولہ برس کی عمر میں کردوں گی۔"
"اور پڑھائی۔ کیریر..." صندلین کی آواز پھٹ گئی۔
"ارے ہٹاؤ بھی..." ذوہی نے فیڈر منہ سے نکل جانے پر رونے والے بچے کو تھپڑ لگانے کے انداز میں تھپکا۔ "ہوتی رہے گی پڑھائی بھی... اور بن جائے گا کیریئر... شادی آگے بڑھنے سے 'کام کرنے سے روکتی تو نہیں... مجھے دیکھو... پورے آسٹریا میں مجھ جیسی چائلڈ اسپشلسٹ نہیں ملے گی۔"
"ہونہہ... جس عورت کے پانچ اپنے خود کے بچے ہوں۔ اسے چائلڈ اسپیشلسٹ تو بننا ہی چاہیے۔"
صندلین نے جل کر خود کلامی کی۔
"اوں! مجھے کچھ کہا۔" ذوہی بجو سے لبوں کی جنبش چھپی نہ رہی۔
سجل نے بدقت اپنی ہنسی روکی۔ امی نے تنبیہی ہنکارا بھرا 'ایسے منہ بھر کے پانچ نہیں کہتے۔
"نہیں... وہ میں کہہ رہی تھی۔ بچیوں کے سامنے ایسے بات نہیں کرتے۔" صندلین اچانک اٹھارہ سو سولہ کی خالہ بن گئی۔
"لو کیوں نہیں... میں نے تو ان کے دماغوں میں سارا پروگرام فیڈ کردیا ہے۔ ویسے بھی میری بچیوں کو شادی کا بہت شوق ہے۔ ان کا بس چلے تو اسکول بھی شرارہ غرارہ اور ٹیکا جھومر لگا کر جایا کریں۔"
"یس خالہ... مام از رائٹ..." دونوں نے دوبارہ ہم آواز ہو کر تائید کی اوہ خدا...
"اگر اچانک لائٹ چلی جائے تو کیسا ہو... اسے شدت سے خواہش ہونے لگی۔ ذوہی بجو کے ہاں تو دن چڑھا تھا۔ اور وہ تسلی سے اسے سمجھانے کے لیے بیٹھی تھیں۔
"آپ کو ہاسپٹل نہیں جانا تھا۔ اور بچوں کو اسکول۔"
"آج سنڈے ہے۔"
"اف...!" اس نے اپنے اندر خوب ساری آکسیجن بھری۔ "یعنی رات تو کالی ہو گئی۔" تب ہی ہارن کی تیز آواز پر سب بری طرح چونکیں۔
"اللہ خیر..."
"تزمین آگئی ہے۔" امی نے کہا۔
"ہاں۔ اس کی فلائٹ لیٹ تھی۔" امی نے وال کلاک دیکھا جہاں صبح کے پانچ بج رہے تھے۔
"وہ ایسے کیسے اچانک..." صندلین بیڈ سے اتری۔
"میں نے بلایا ہے اسے تاکہ تمہیں سمجھا سکے۔" امی نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
"کیا سمجھائیں گی وہ؟" اس نے ٹھٹک کر پوچھا۔
"یہی کہ ماں کو تنگ مت کرو اور شادی کرلو۔"
"ہیں... ں ں ں!" حیرت کی زیادتی نے اسے ساکت کردیا۔
"ٹی کے اور سمجھائیں گی... وہ بھی شادی کے حق میں۔"
ضرور امی کسی غلط فہمی میں جی رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"کیا شادی شادی کا شور مچا رکھا ہے۔" تزمین خان کی آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی۔ "ضرورت ہی کیا ہے شادی کے جھنجٹ میں پھنسنے کی۔ اچھی جاب ہے نہ کوئی روک ٹوک ہزاروں کی سیلری ہے۔ لاکھوں عورتوں سے اچھی زندگی گزر رہی ہے۔"
اونچی 'لمبی' بھاری بھرکم... گھنگھریالے بال گدی سے بھی اوپر چڑھے تھے۔ بڑی بڑی آنکھوں سے ذہانت 'کامیابی اور تنفر جھلک رہا تھا۔
ان کا رعب کمرے کی ہر جان دار و بے جان چیز پر طاری ہو گیا تھا۔
"اور کہاں ہے وہ سجیلہ بانو؟" ان کی آواز سارے گھر میں گونج رہی تھی۔ سجیلہ کپکپا گئی۔ ان کے بالکل پیچھے کچن میں کھڑی ان ہی کے لیے چائے بنا رہی تھی۔
"جی...!" سامنے آنا پڑا۔

"کب آرہا ہے تمہارا رزلٹ... اور دیکھا ہے میں نے تمہارا منگیتر' وہ بے وقوف آدمی' شکر نہیں کرتیں۔ اس سے بچ گئیں۔ نئی عمارت بنی ہے اسکول کی... نیا اسٹاف ہو گا۔ استانی بن کر عیش سے رہنا۔ اسے بتا دینا کہ تم اس کے بغیر مر نہیں گئیں بلکہ زیادہ اچھی زندگی گزار رہی ہو۔ کچھ آیا سمجھ میں۔"

"جی... جی ہاں... لیکن وہ شادی۔" "اوہ خدا!... اس نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔ کہنا تو کچھ اور تھا۔ مگر منہ سے نکلا کیا۔

"پھر شادی..." تزمین خان نے ٹانگ پر ٹانگ رکھی (بمشکل)

"عورت ایک آزاد شخصیت ہے' وہ غلامی کے لیے پیدا نہیں کی گئی۔ مگر مرد کب دیتا ہے برابری... میں تو سمجھتی ہوں کہ..."

آگے کی تقریر سجیلہ بانو کے لیے یقیناً" نئی ہو سکتی تھی۔ مگر باقی سب کو ازبر تھی۔ اتنی زیادہ کہ سب جانتی تھیں۔ کہاں کوما لگے گا۔ کہاں سوالیہ نشان۔ کب وہ سانس لینے کو رکیں گی اور اگلا جملہ کیا ہو گا۔

امی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اتنی ایمرجنسی میں اسے اس لیے بلایا تھا۔

دوسری طرف صندلین ان سب باتوں کو بچپن سے پہلے ڈیڈی کی زبانی سنتی رہی تھی۔ اور پھر ٹی کے خیالات بھی جانتی تھی۔ مگر اس پر یہ عجیب سا انکشاف ہوا کہ آج یہ جملے اسے اچھے نہیں لگ رہے تھے پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ وہ ان خیالات کی حمایت کرنے والوں میں سے تھی۔ مگر وہ اس طرح سے چبھے تو پہلے کبھی نہیں تھے تو یہ اندر... کہیں کیا ہو رہا تھا۔ کیوں برا لگ رہا تھا۔ دل کیوں چاہ رہا تھا کہ تزمین اپیا خاموش ہو جائیں پل بھر جاتا تھا کہ وہ کہہ ہی دیتی' بس کریں اپیا!

مگر اسے تکلیف نہ کرنا پڑی۔ تزئین نے یکدم سر اٹھایا تھا آنکھوں میں ناراضی آمیز قطعیت تھی۔

"باس... میں نے تمہیں اس لیے اتنی ایمرجنسی میں بلایا تھا ٹی کے؟" ٹی کے بری طرح چونکیں۔ امی کی غصیلی نگاہیں بھی یہی کہہ رہی تھیں۔

"اوہ...!" ٹی کے کو وہ سب ہدایات یاد آنے لگیں جو تزئین نے فون پر دی تھیں۔

"لیکن... میں یہ بھی سمجھتی ہوں۔" امی اور تزئین کی گھوریوں سے انہیں یاد آنے لگا کہ وہ کیوں بلائی گئی ہیں۔ "کہ اگر لائف میں کوئی اچھا مل رہا ہو تو شادی کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں..."

"ہائیں؟" صندلین نے چونک کر سر اٹھایا۔ سجل نے بھی بے یقینی سے پہلے میڈم ٹی کے کو دیکھا پھر صندلین کو... یہ اچانک ٹریک بدل کر گاڑی کسی اور راستے پر سے کیسے گزرنے لگی۔ چند لمحے اور گزرتے تو سجل نے تو ٹی کے کے دونوں ہاتھ تھام کر بیعت کر لینی تھی۔ شادی کے نام سے توبہ کرنی تھی۔ مگر ادھر تو مرشد ہی اپنے قول سے پھر گئے۔

"اور تم سجیلہ بانو۔" ٹی کے ترچھی نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑیں۔ "میں نے سنا ہے تم اپنی شادی ہو جانے کے لیے کوئی وظیفہ وغیرہ کر رہی ہو۔"

"جی... جی ہاں... جی نہیں' بالکل نہیں۔" اس کے حواس جاتے رہے۔

"خیر... خیر اگر کر بھی رہی ہو تو کوئی حرج نہیں... آئی لائک اٹ بی کاز۔" ٹی کے وقفہ دے کر سب کو دیکھا۔ جو بے یقینی کی حد پر تھیں۔ "مجھے تمہاری یہ اسپورٹس مین اسپرٹ اچھی لگی۔ میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ انسان کو اپنے لیے خود کوشش کرنی چاہیے ایسے لوگ بہت بہادر ہوتے ہیں اور بہادری مجھے ہمیشہ اٹریکٹ کرتی ہے۔ اس لیے کیپ اٹ اپ۔"

"جی...!" سجل کی جی ایسے تھی جیسے لمبی سیٹی... ای ی ی جی۔

"اچھا اب ادھر کھڑے ہو کر دانت نکالنے کے بجائے باہر جاؤ اور دیکھو' اخبار آیا کہ نہیں... صبح کے سات بجنے کو ہیں۔ کیا باسی خبریں پڑھوں گی میں۔"

ٹی کے نے اپنے مخصوص لہجے میں حکم جاری کیا۔ سجل نے فرماں برداری سے سرہلایا۔

"جی... جی ابھی لائی۔" ایک قدم بڑھایا پھر کچھ یاد آیا "اخبار؟ باہر سے لاؤں؟" اس کے قدم زمین سے چپک گئے گویا۔

"ہاں... باہر سے باہر مطلب گھر سے باہر گیٹ پر۔" ناٹ ابروڈ ٹی کے نے اچنبھے مگر حکمیہ انداز سے کہا۔

"جی... اچھا۔" وہ گھبرا کر تیزی سے نکل گئی۔

صندلین نے غیر محسوس انداز سے ذرا سا سرک کر دروازے سے نظر آتی سجل کو دیکھا۔ وہ کمرے سے تو تیزی سے نکلی تھی۔ مگر برآمدے میں گومگو کے عالم میں کھڑی تھی۔ چہرے پر گھبراہٹ آمیز... نہیں خوف زدہ سی الجھن تھی۔ نجانے کیا امر مانع تھا۔ آگے قدم بڑھانے میں...

صندلین نے گھڑی دیکھی۔ وقت کی پابندی اور غیر حاضر نہ ہونے کا حکم تو اس نے سختی سے دیا تھا۔ اور اس نے شکایت کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ تو...

☼ ☼ ☼

"آئی ایم سوری آپو جی!" حسنین خان کی آواز میں قطعیت، ناراضی اور اجنبی پن نمایاں تھا۔ "آپ کہتی ہیں وہ مان گئی ہے۔ یقیناً" مان گئی ہوگی۔ مگر آپ سب کے سمجھانے بجھانے پر... نصیحتوں سے، منتوں ترلوں سے..."

"ایسا نہیں ہے حسنین!" تزئین نے بہت رسانیت سے تردید کرنا چاہی۔

"ایسا ہی ہے آپو جی!" وہ اپنے بیان سے انچ بھر نہ سرکا۔

"ایسا کرتی ہوں۔" آپو جی کھڑی ہوئیں۔ "اسے بھیجتی ہوں، تم اس سے خود پوچھ لو..."

"اب بھی آپ بھیجیں گی۔ وہ خود نہیں آئے گی۔"

"ارے بابا! کب سے دروازے کے اس طرف کھڑی ہے۔ آجاؤ صندلین...!"

وہ خاموشی سے آکر بیٹھ گئی تھی۔ وہی مخصوص بے نیاز انداز۔ وہ گردن اٹھائے بیٹھی تھی۔ نگاہیں ایکوریم میں تیرتی مچھلیوں پر جمی تھیں۔

نہ شرمندہ تھی نہ معافی کی طلب گار... مغرور حسینہ بے نیازی سے پرے... وہ ٹکٹکی باندھے سخت نگاہوں سے اسے گھورے جاتا تھا۔

"میرا خیال ہے، میں چلتا ہوں۔" اس کے ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں، کھڑا ہو گیا۔

"یہ کافی نہیں ہے کہ مان گئی ہوں۔" وہ یکدم بول پڑی۔ انداز روٹھا سا تھا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں، انکار کیوں کیا تھا اور یہ کہ اب اقرار کیوں کر رہی ہو۔"

وہ شاید قسم کھا کر آیا تھا۔ اس کی مردانہ انا کو اس روز کے پرمحبت اظہار پر کیے جانے والے سخت انکار سے ضرب لگی تھی۔ اور زیادتی کا احساس تو صندلین کے دل میں بھی تھا۔ ہاں اتنا حق تو وہ رکھتا تھا کہ...

"میں صرف دوسرے حصے کا جواب دوں گی۔" اس نے بہت سوچ سمجھ کر کہا۔

"ایک پھانس تھی دل میں گڑی ہوئی۔ جب وہ نکل گئی تو احساس ہوا کہ میں اب خسارے میں رہوں گی۔"

"کیسا خسارہ...؟" حسنین خان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

"ایک محبت کرنے والا شخص زندگی سے چلا جائے تو پیچھے پچھتاوے کے سوا کیا بچتا ہے۔"

"کون شخص...؟" وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔

"حسنین خان...!" اس نے اک نظر دیکھا بس... اور منہ موڑ لیا۔

"حس نین خا... ن...!" وہ بری طرح چونکا تھا اور اپنا نام لینے ہی میں زبان لڑکھڑا گئی۔ "دوبارہ کہو..." وہ جست بھر کے سامنے آگیا۔ اس نے انکار میں سر ہلا کر لب کچلے۔ "ایک ہی بار کہنا تھا۔"

"میں دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔" وہ شاید اس کا ہاتھ پکڑنا چاہتا تھا۔ اس نے کسی فوجی جوان کی طرح اپنے بازو پیچھے کس لیے۔ کٹھور ہو گئی۔ نگاہیں دیوار پر ٹکا دیں۔ اسے رونا آنے لگا تھا۔

وہ لڑکے ہوتے ہیں جو اظہار پر سینہ پھلاتے ہیں۔

لڑکیاں غلطی سے عیاں ہو بھی جائیں تو خود سے خفا ہو جاتی ہیں۔ مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔
"بس اب مجھے پہلی وجہ نہیں سننی...." وہ شگفتگی سے بولا "ویسے بھی وہ میں جانتا ہوں۔"
"کیا...؟" وہ اچھل پڑی "کیسے؟"
"آپو جی نے خود بتائی کہ تم ان کی وجہ سے...."
"اوہ یہ انہوں نے کیا کردیا۔" اس کا چہرہ زرد ہوا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے' میں اتنا گھٹیا آدمی ہوں کہ ان کا مذاق بناؤں گا یا طعنہ دوں گا؟"
صندلین منہ سے کچھ نہیں بولی۔ مگر اس کے چہرے کی بے یقینی پر وہ مسکرا دیا۔ "منہ سے صفائی دینے اور وعدے کرنے اور خود کو بہت اچھا بتانے سے بہتر یہ ہوتا ہے کہ آپ ثابت کردیں۔" اس کے لہجے میں سچائی تھی۔ صندلین کو یقین آنے لگا تھا۔
"آپو جی نے آپ کو کیا بتایا؟"
"ہاں میں تمہیں بتاتا ہوں جو انہوں نے کہا۔
"ہاں' وہ میری زندگی کا ایک عجیب اور ناقابل یقین فیز تھا۔ مجھے اب خود پر حیرت ہوتی ہے میں جو کہ اتنی مضبوط تھی۔ اتنی بے بس کیسے ہوگئی۔ کہ خود پر سے اختیار ہی کھو دیا دراصل وہ میرا خود پر غصہ تھا کہ میں بھی ذوہین جیسی ہمت دکھا سکتی تھی۔ میں خود سے ناراض تھی۔ مجھے پیچھے ہٹنا نہیں چاہیے تھا۔ جو رشتہ فطرت تھا۔ جو جائز تھا پسندیدہ تھا۔ میں اس کے حق میں کھڑی نہ ہو سکی۔ فیصلہ کرنے کی ہمت نہ پیدا کر سکی۔ دیل نہیں دینی آئی۔ اور ذوہین پر غصہ بھی آیا تھا۔ اس نے کیسا تضحیک آمیز انداز اپنایا تھا۔ شاید وہ ایسا نہ کرتی تو.... میں ڈیڈی اور تائی کے آگے ایک بار تو کھڑی ہوتی۔
اس نے میری پسندیدگی کا مذاق نہ اڑایا ہوتا۔ اس کا دل زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔ میری خواہش تماشا' مذاق' بے وقوفی تھی۔
لیکن پھر میں نے سمجھ لیا کہ یہ سب کاتب تقدیر نے یونہی لکھا تھا۔ تب میں نے ذوہین کو معاف کردیا۔ سب کو کردیا۔"

اور صندلین بے وقوف ہے۔ اسے میں بتاؤں گی کہ تنہائی کیسا زہر ہے اور تب جب آپ کو پتا ہو کہ دنیا میں ایک شخص تھا جو آپ کی ہاں کا منتظر رہا۔ تب تو سوائے پچھتاوے کے کچھ نہیں بچتا۔"

"یہ سب آپو جی نے تمہیں کہا۔" صندلین نے اسے ٹوک دیا جو رٹو طوطے کی طرح آپو جی کے اعترافات سنائے چلا جا رہا تھا۔

"ہاں۔ میں اپنی طرف سے تو بتانے سے رہا۔ اب میرے لیے کیا حکم ہے۔ بھیجوں اپنی اماں کو؟ مگر یہ بات یاد رکھنا... وہ سالوں سے اس لڑکی کے نام پتے کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ جس نے ان کے بیٹے کی زندگی کے قیمتی ماہ و سال تباہ کیے۔ ان کو کیسے ڈیل کرنا ہے۔ یہ تمہارا مسئلہ ہو گا۔"

وہ مزے سے ممکنہ خطرے کو بتانے گا۔ اس کی آنکھیں پھیلنے لگیں وہ نہ بھی بتاتا تب بھی صندلین خان نے ہزار بار نگاہیں چرائی تھیں۔ جب اس کی اماں دانت کچکچا کر، مٹھیاں بھینچ کر اس نامعلوم لڑکی کو کوسا کرتی تھیں۔ یعنی کہ.....

وہ سٹ پٹائی اور تیزی سے دماغ چلایا۔

"تم ایسا کرو حسنین! اپنی اماں سے کہنا... اس لڑکی پر لعنت بھیج کر تم خاص ان کی خوشنودی کے لیے طوعاً" کرہاً" مجھ سے شادی پر آمادہ ہو گئے ہو وہ...." اس کا چہرہ بات مکمل کرتے ہی تمتمانے لگا۔

حسنین نے اپنی ہنسی بمشکل روکی۔

"میں ایسا کچھ نہیں کروں گا صندلی... یہ تمہارا مسئلہ ہے۔"

اسے اس جواب کی قطعاً" توقع نہیں تھی' وہ بھرپور احتجاج کرنا چاہتی تھی۔ تب ہی اسے احساس ہوا اس نے اسے صندلین نہیں... صندلی... صندلی پکارا تھا۔ وہ کھل کر مسکرانا چاہتی تھی۔ تب ہی دھاڑ سے دروازہ کھلا۔ دونوں چونکے۔

یہ حواس باختہ سی سجل تھی۔ جو ان دونوں کو دیکھے بغیر امی کے کمرے میں گھسی تھی۔

"نہیں' میں یہ وظیفہ پورا نہیں کر سکتی۔" وہ مسلسل انکار میں سر ہلا رہی تھی۔

"نہیں سجیلہ بانو۔" امی نے آنکھیں مقدور بھر پھیلائیں۔ "یہ نہ کرنا وظیفہ ادھورا چھوڑنے سے اچھا نہیں ہوتا ہے' الٹ ہو جاتی ہیں چیزیں۔"

"کچھ الٹ نہیں ہو گا... بس میں نے کہہ دیا تو کہہ دیا۔" وہ ڈٹی ہوئی تھی۔

"اب اس سے زیادہ اور کیا الٹا ہو گا۔" اس نے جلے انداز میں خود کلامی کی۔

"کیا... کیا الٹا... ہو گیا؟" امی اور صندلین نے آنکھوں آنکھوں میں تیر نشانے پر لگا ہے کا پیغام سنایا۔

"بس آپ اس ارمان کو بلوایے...." اس کے منہ سے نکلا۔

"ارمان..." آپو جی تو کچھ نہ سمجھیں... البتہ صندلین اور امی کا چہرہ رنگا گیا' بمشکل خود پر قابو پا کر حیران انداز اپنایا۔

"ارمان کا کیا ذکر....؟"

"اسی کی بات ہے۔" سجیلہ بانو نے ہاتھ مسلے۔

"تم صاف بات کیوں نہیں کرتیں سجیلہ بانو... تجھے نماز بھی پڑھنی ہے اور تم وظیفہ مکمل ضرور کر لینا کوئی بہانا نہیں... میں نے پہلے ہی سمجھایا تھا... سمجھایا تھا کہ نہیں۔" امی غصے میں آگئیں۔

اور سجیلہ بانو نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ امی نے اپنے چہرے کی سختی برقرار رکھی۔ تزئین ہی نے اسے خود سے لپٹایا' پچکارا اور پوچھا۔ صندلین اجنبی رہی۔ (اسی کا تو سارا منصوبہ تھا۔ مگر نتیجہ اتنی جلدی آئے گا یہ اندازہ نہیں تھا۔)

آپو جی کے دلار کے آگے سجل کا انکار ٹک نہ سکا۔ روتی شکل' بے یقین آنکھوں کے ساتھ۔ اس نے آغاز لیا۔

"اتنے سارے وظیفے کر رہی تھی مگر شادی کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

پھر اماں جی نے ایک وظیفہ بتایا... کہ بڑا جلالی' کمالی ہے۔ گیارہ دن تک کرنا ہو گا اور کوئی گڑبڑ نہیں کی تو تیسرے دن ہی خوش خبری ملے گی۔ وہ بندہ خود

دروازے پر آجائے گا۔ بھلے خلیج فارس میں کیوں نہ رہتا ہو۔"

(صندلین نے منہ پر پرسوچ انداز سے ہاتھ رکھا۔ دراصل ہنسی روکنی تھی۔ امی بھی کمال ہیں۔ خلیج فارس سے کیا اڑ کے آئے گا۔ ویزے یا پاسپورٹ کا جھنجھٹ ہی نہیں..... ہنسی امی کو بھی آرہی تھی بلکہ پاسپورٹ کا دفتر ہی بند کردیا جائے۔ وظیفہ کے ذریعے ہی ادھر سے ادھر.... ادھر سے ادھر)

"تیسرے دن نہیں دوسرے ہی دن....." اس نے ہچکی بھری۔

"ہاں ہاں بولو.....!" آپو جی اشتیاق و تجسس سے مرنے کو ہو گئیں۔ کمر سہلانے لگیں۔

"تیسرے ہی دن سے..... تیسرے ہی دن جب صبح میں اخبار اٹھانے دروازے پر گئی تو..... (صندلین کے لیے ہنسی روکنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگیا)

"ہاں تو..... آگے بولو۔" آپو جی کے پیٹ میں گرہیں پڑنے لگیں۔ انہیں کسی انہونی کا احساس ہونے لگا تھا۔

"سامنے وہ کھڑا تھا نہ کوئی کام نہ مقصد..... بھلا اتنی صبح صبح کوئی کسی کے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے۔"

"لیکن کون.....؟"

"اور تیسرے دن ہی کیوں..... چوتھے یا پانچویں..... یہاں تک کہ آج نو دن ہونے کو آرہے ہیں۔ لاکھ کوشش کروں کہ ایسا نہ ہو مگر پھر بھی جس پہلے شخص کو صبح اٹھتے ہی دیکھتی ہوں وہ..... وہی ہوتا ہے۔"

"تو یہ تو بہت اچھی بات ہے ناں۔ تم نے ہی تو کہا تھا۔ اللہ کچھ ایسا کردیں کہ وہ بندہ خود بخود سامنے آجائے۔ ادھر امی کا بتایا وظیفہ کام کر گیا۔" صندلین آگے آئی۔ تزئین البتہ دم بخود تھیں۔

"مگر وہی کیوں.....؟"

"اے سجل.....!" صندلین نے تنبیہی انگلی اٹھائی "اپنی زبان سے مت پھوٹو تم نے کہا تھا ناں کہ خود سے فیصلہ کیا نہیں جاتا..... دل نہیں مانتا۔ اب تمہارا مسئلہ حل ہوگیا ہے تو....."

"بس آپ اسے بلوائیں اور پوچھیں کہ وہ کیوں ہمارے دروازے پر آکر کھڑا ہوتا ہے۔" وہ بازپرس سے کم پر تیار نہیں تھی۔

صندلین سر ہلاتے ہوئے اٹھی۔ پہلے ایک میسج سینڈ کیا (کام ہوگیا ہے آجاؤ) پھر سارے کمرے میں اس کی آواز گونجنے لگی بارعب، غصیلی۔

"فوراً آؤ....."

وہ اگلے آدھے گھنٹے میں حاضر۔ واہ تیری تیزیاں..... پھرتیاں۔ سجل اس کمرے میں تھی۔ منہ البتہ پھیر رکھا تھا۔ غلطی سے بھی نظر پڑ نہ جائے کہیں۔ البتہ پورا وجود سماعت بنا ہوا تھا۔

"مجھے تو خود پتا نہیں چلتا ہے۔ نجانے کیا ہو جاتا ہے۔ اچھا بھلا گہری نیند میں سو رہا ہوتا ہوں۔ اچانک رات بارہ کے بعد جیسے کوئی جھنجھوڑ کر اٹھا دیتا ہے۔ مجھے لگتا ہے، کوئی مجھے کمرے سے نکلنے کا کہہ رہا ہے۔ نیند اڑ جاتی ہے۔ یہ کیفیت کوئی سوا گھنٹہ رہتی ہے۔ مجھے لگتا ہے، کوئی مجھے بلا رہا ہے۔ بس چل پڑنے کو کہہ رہا ہے۔ دوبارہ سونے کی کوشش میں نیند اول تو آتی نہیں۔ اگر آجائے تو میرون چادر میں کوئی لڑکی ہے، شکل مجھے نظر آتی نہیں۔" وہ سخت الجھے لہجے میں اٹک اٹک کر بتا رہا تھا۔

دوسری طرف سجل کے سر پر پہاڑ ٹوٹا۔ اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر صندلین کو دیکھا۔ سجل کی نماز کی چادر میرون تھی۔ جبکہ صندلین نے بھی ایسے ہی چونک جانے والے انداز سے سجل کو دیکھا تھا۔ یعنی..... یعنی کہ سجل پر کپکپی طاری ہوگئی۔

"پھر نجانے کیا ہوتا ہے، میرا خود پر سے اختیار کھو جاتا ہے اور ہوش آتا ہے تو آپ کے گھر کے باہر کھڑا ہوتا ہوں۔ واپس جانے کو دل ہی نہیں کرتا۔"

وہ حیرانی، بے بسی، لاچاری کی اس حد پر تھا جیسے کوئی اونچی چٹان کے جڑ کھائے درخت کی سب سے کمزور شاخ پر محض اپنی شرٹ کے بٹن کے سہارے اٹکا لٹک رہا ہو۔ اف.....

"کل تو حد ہوگئی۔ ابو نے مین گیٹ پر تالا ڈالا تو چابی

نجانے کہاں رکھ دی اور رات کو اسی جادوئی کیفیت میں جب مجھے چابی نہ ملی تو میں دیوار پھاند کر یہاں آنے کے لیے نکل آیا۔"

ارمان نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال جکڑ لیے۔

"دیکھا۔ میں نہ کہتی تھی۔ ایسا جلالی کمالی.... آہ اسے کیا ہوا۔"

امی جھومتے جھومتے چونکیں۔ سب نے امی کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ منہ پھیر کے بیٹھی سجل جست لگا کر اچھلی تھی اور کمرے سے بھاگی۔ اس سے پہلے کہ کوئی سمجھتا یا اسے پکارتا' وہ واپس لوٹ آئی اور اس کے ہاتھ میں وہی اس کی میرون چادر تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی سوال کرتی' ارمان نے آگے بڑھ کر چادر جھپٹ لی۔

"یہی.... یہ ہی تو وہ چادر ہے اوہ خدا.... یہ تمہارے پاس کہاں سے آئی؟" وہ چادر کو ہاتھوں میں دبوچے سینے سے لگائے درشتی اور حق سے پوچھ رہا تھا۔

"میرے پاس۔" سجل نے زیر لب دہرایا۔

اگلے پل وہ پورے قد سے زمین پر آ رہی۔

سب کی حیران چیخیں بھی اسے بے ہوش ہونے سے نہیں بچا سکی تھیں۔

☆ ☆ ☆
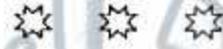
صندلین اور حسنین کی شادی اتنی جلدی نبٹائی گئی جیسے خدشہ ہو ابھی نہیں تو کبھی نہیں....

امی نے سارے خاندان کو اکٹھا کیا۔ ڈیڈی یونہی زندگی بھر سوچتے رہے ان کے بہن بھائی ان سے جلتے ہیں۔ وہ سب اتنے خوش تھے کہ امی اس خلوص کو دیکھ دیکھ کر روتی رہیں۔ (اختلاف رائے کا یہ مطلب تو نہیں.... ہم جلتے ہیں۔ اس لیے تنقید کرتے ہیں)

امی کی ٹانگوں میں اب بیٹی کے جہیز بنانے والا دم خم نہیں تھا مگر ان کا جوش دیدنی تھا۔ وہ واکر کے سہارے گھسٹتی زرق برق کپڑوں کی دکان میں گھسی رہتیں....

"جہیز ایک لعنت ہے" صندلین سخت ناراض تھی کہیں کھڑے ہونے کی جگہ ہی نہیں تھی۔ سارے کامن میں کارٹن ہی کارٹن.... اللہ جانے آپو جی نے کیا سوچ کر دنیا جہان کی ہر چیز اکٹھی کی تھی۔ کسی کو خبر نہیں اس وقت سارے گھر والے حیرت سے کبھی ان کو دیکھتے کبھی سامان کو۔

"ہاں تو جہیز ایک لعنت ہے اور ہم تم پر یہ لعنت بھیجتے ہیں۔ ہاہاہا۔"

"آپو جی....!" اس کے احتجاج پر وہ کہاں کان دھرنے والی تھیں۔ ٹرک بھر کے روانہ....

"یہ تحفہ ہے چھوٹی.... تم بہنا ہو اور پیاری مجھے ایسے ہو جیسے بیٹی.... اور پھر میرے پیسے پر تم سے بڑھ کر کسی کا حق ہو سکتا ہے۔ بے کار ہی جا نا تاں۔"

وہ بہت پیار سے کہہ رہی تھیں۔ پر صندلین کے دل کو چوٹ پہنچی۔

"یہ نہیں لیتیں تو مجھے دے دیں۔"

سجل کو نیا آئیڈیا سوجھا.... دولہا بھی شہری اور جہیز بھی شہری واہ۔

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے تمہیں بھی ملے گا۔ مگر ابھی تو تم نے بی ایڈ کرنا ہے۔ اپنے گاؤں کا اسکول آباد کرنا ہے۔ ٹی کے نے شرط رکھی ہے۔"

"ہاں ہاں' وہ تو مجھے پتا ہے۔ ایک ہی اسکول ہے بغیر استانی کا.... میرے اس منگیتر کے بچے بھی وہیں داخلہ لیں گے۔ روز مرغا بناؤں گی اور فیل تو لازمی کروں گی۔ ایک ایک کلاس میں چار چار سال نہ لگوائے تو میرا نام"

"ہیں....!" آپو جی اور صندلین ہکا بکا رہ گئیں۔

صندلین کی شادی کے پورے دس روز بعد **سجیلہ** بانو اور ارمان کی منگنی کی تقریب آج شام کو منعقد کی جا رہی تھی۔

دلہن سے زیادہ پرجوش و فکر مند آپو جی تھیں۔ سب نے وہی لباس استعمال کرنے تھے جو ابھی شادی پر بنے تھے مگر آپو جی خصوصی جوڑا بنوا کر لائی تھیں۔ صندلین کی شادی پر بھی ان کا جوڑا' زیور اور انداز دلہن سے کہیں بڑھ کے تھے۔ سی گرین شرارہ.... پھول اور زیور ٹیکا جھومر تک۔

ذہین بجو کے لیے... اور ان کی بیٹیوں کے لیے شرارے غرارے بھڑکیلے شوخ رنگ خریدتے ہوئے جو خوشی اور طمانیت چہرے پر تھی۔

بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آئیں۔

"تم ارے تم نے اب تک کچھ نہیں پہنا...؟" نگاہ ٹی کے پر جم گئی۔ وہ اپنے بھاری بھرکم چہرے پر مسٹر کے برابر ٹاپس پہنے افسر بن کر رہی بیٹھی تھیں۔ چہرے پر خشونت... بھنویں سکڑی ہوئی تھیں۔ آنکھوں سے بھی برہمی جھلکتی تھی۔

"یہ چین پہن لو..." آپو جی نے ایک موٹی چین نکالی اور انکار سے پہلے ان کے گلے میں ڈال دی۔ اب وہ کچھ اور ڈھونڈ رہی تھیں۔ "یہ ٹاپس اتار کر جھمکے پہنو اور یہ ٹیکا بھی لگالو۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔" وہ اچھلی تھیں۔

"ارے خوشی کا موقع ہے 'ٹیکا تو لگانا پڑے گا۔"

انہوں نے پن بھی ڈھونڈ نکالی۔

"کیوں یہ کوئی حفاظتی ٹیکا ہے جو لازمی لگانا ہے۔"

ٹی کے جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔

آپو جی کے ہاتھ اور نظر ساکت ہو گئی۔

"ٹی کے کو کیا ہو گیا تھا۔ ان کے جملے پر زور کی ہنسی آ سکتی تھی مگر وہ انداز... اور بھنا کر بہت دور جا کر الگ تھلگ بیٹھ جانا۔ وہ کیوں...

ساری تقریب کے دوران آپو جی تمام گہما گہمی کا حصہ ہونے کے باوجود اس کو نے کو نظر انداز نہیں کر پا رہی تھیں۔ جہاں وہ بیٹھی تھیں۔

اور اسی کونے پر امی کی نگاہیں بھی جکڑی گئی تھیں۔

انہوں نے تو عام سی بچی پیدا کی تھی۔ تزمین خان... ہاں وہ خام سونا تھی مگر وہ تو ہر بچہ ہوتا ہے۔ توجہ' تربیت' محنت' شوق اسے سونا بناتا ہے پھر وہ کندن بن سکتا ہے۔ مگر ان کی تزمین پیتل بن گئی اور یہ اس نے خود نہیں کیا تھا۔ عام سی لڑکی کو خاص بنانے کے چکر میں ڈیڈی نے اسے فطرت سے دور کر دیا۔

امی کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ ٹی کے کا چہرہ دھندلا ہو گیا۔ وہ بہت دور بیٹھی سب سے لاتعلق اپنے سلیٹ برابر موبائل پر انگلیاں چلا رہی تھیں۔ اس کے عہدے اور تعلیم کی چمک سے پیشانی جگمگا رہی تھی۔

مگر اتنے بڑے ہجوم میں بھی اکیلے پن کی وہ تاریکی ماں کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

یہ ساری رونق اس کے لیے فضول تھی۔ یا کوئی احساس زیاں...؟ نہیں... امی کا دل مٹھی میں آ گیا۔

تو پھر میرے مالک... اسے بے خبر ہی رہنے دینا۔ اگر جو آگہی کے در کھل جائیں اور حقیقت کی دنیا روشن ہو جائے۔ تب جینا کتنا مشکل ہو گا تو بس پھر وہ اسی افسری کے زعم اور کامیابی کے نشے میں جھوم لے۔

تو اس سب کا قصور بھی ٹی کے' کے ڈیڈی کے نام لگا۔ لیکن نہیں وہ سارا الزام ان پر نہیں لگا سکتیں۔ وہ بھی مجرم تھیں انہوں نے بھی ان باپ بیٹی کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ تو ثابت ہوا انسان خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔

کائنات اور یہ زمین پورا ایک نظام ہے۔ ایک پلان ہے۔

اعتدال ہے۔ توازن ہے۔

کفران نعمت' ناشکری اور فطرت کے اصولوں سے انحراف کبھی بھی بابرکت نہیں ہو سکتا۔

☼